ع۲۳۷۲

وصیت میں بلقیس بانوں زوجہ مولوی محمد شاہزادہ فاضل قوم سید ساکن قادیان کی ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتی ہوں (۱) میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ہو اسکے $\frac{1}{10}$ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لیوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دیجاویگی (۳) میری موجودہ جائداد مہر ۳۰۰ تمام زیور عسہ کا ہے۔ فقط ۲۸ $\frac{1}{26}$ العبد:۔ بلقیس بانوں اہلیہ مولوی محمد شاہزادہ صاحب فاضل۔ گواہ شد:۔ محمد شاہزادہ فاضل بقلم خود۔ گواہ شد:۔ عزیز الرحمن بقلم خود۔

ع۲۳۶۴

وصیت میں محمد ابراہیم ولد مولوی عطا محمد صاحب قوم وائیں ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور کا ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اسوقت کوئی نہیں البتہ ماہوار آمد مبلغ للعہ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا $\frac{1}{10}$ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے وقت میری جسقدر جائداد ثابت ہو جو مجھے بطور وراثت یا ہبہ حاصل ہوئی ہو۔ یا ایسی آمد سے پیدا کی گئی ہو جس کا $\frac{1}{10}$ حصہ میں نے داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں اپنی زندگی میں نہ کٹوادیا ہو اسکے $\frac{1}{10}$ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ المرقوم ۲۶ $\frac{1}{26}$ الموصی خاکسار محمد ابراہیم۔ گواہ شد:۔ عبدالقدیر بی۔اے۔ غلام محمد ساکنہ موضع حقیقہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات

ع۲۳۸۱

وصیت میں محمد عالمگیر خان ولد عطاء اللہ افغان لودھی ساکن اسماعیلہ تحصیل صوابی ضلع پشاور کا ہوں جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اسوقت کوئی نہیں۔ البتہ ماہوار آمد مع الاؤنس ایکسو روپیہ ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا خواہ کچھ بھی ہو $\frac{1}{10}$ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے وقت میری جسقدر جائداد ثابت ہو۔ جو مجھے بطور وراثت یا ہبہ حاصل ہوئی ہو۔ یا ایسی آمد سے پیدا کی گئی ہو جسکا دسواں حصہ میں نے داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں نہ کٹوادیا ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط المرقوم ۲۹ $\frac{1}{26}$ گواہ شد:۔ خاکسار صدر الدین عربی ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول کوہاٹ۔ العبد:۔ محمد عالمگیر خان سب اوورسیر علی زئی علاقہ کرم گواہ شد:۔ سید محمد حسین سیکنڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول کوہاٹ

ع۲۳۶۰

وصیت میں صغرا بیگم زوجہ عبدالقدیر قوم ارائیں ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپورہ کی ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر واکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتی ہوں (۱) میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا

(دیکھو صفحہ ۳ ٹائٹیل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دیو سماج کے مطالبے و اعتراض کا جواب

{ہستی باری تعالیٰ کے مضمون میں حضرت خلیفۃ المسیح نے اس مطالبہ و اعتراض کا جواب دیا ہے جو عموماً دیو سماجی پیش کیا کرتے ہیں افادہ عام کے لئے اسکو رسالہ میں شائع کیا جاتا ہے (ایڈیٹر)}

وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کم از کم ہمیں تین باتوں کا مشاہدہ کرادو۔ یعنی اوّل خدا کے علم کا دوسرے خدا کی قدرت کا۔ تیسرے خدا کی خلق کا۔ اگر خدا کو علم ہے۔ تو یہ کتاب پڑی ہے۔ اسکو پڑھ دے۔ اگر قدرت ہے۔ تو یہ تنکا پڑا ہے اسے اُٹھالے۔ اگر وہ خالق ہے تو یہ مٹی کا ڈلہ پڑا ہے اس سے کچھ بنا کر دکھا دے۔ جب حضرت صاحبؑ نے دعویٰ کیا کہ خدا مجھ پر علم غیب ظاہر کرتا ہے۔ تو ایک پادری نے اسی قسم کا سوال کیا تھا اس نے کہا کہ میں چند سوال لکھ کر بند کرکے رکھدونگا آپ خدا سے پڑھوا کر بتادیں کہ کیا سوال ہیں؟ حضرت صاحبؑ نے اسکے جواب میں فرمایا۔ چلو ہم تمہاری یہی بات مان لیتے ہیں۔ بشرطیکہ عیسائیوں کی ایک جماعت اقرار کرے۔ کہ صحیح جواب ملنے پر وہ مسلمان ہو جائینگے۔ ورنہ خدا تماشا نہیں کرتا۔ کہ لوگوں کی مرضی کے مطابق جس طرح وہ کہیں نشان دکھاتا رہے۔

غرض منکرین یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو اسکے علم کی۔ قدرت کی اور خلق کی تازہ بتازہ مثالیں جس قسم کی ہم کہتے ہیں دکھادو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر ایک سوال کی دو غرضیں ہوتی ہیں۔ سوال یا تو اپنے علم کی زیادتی کے لئے کیا جاتا ہے۔ یا دوسرے کے علم کا امتحان لینے کیلئے۔ اور اس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے۔ کہ جس سے سوال کیا جائے۔ اسکی جو حیثیت ہو۔ اسی کے مطابق سوال کیا جائے۔ مثلاً اگر ایک سپاہی کو ایک لفٹنٹ ملے۔ اور وہ سپاہی اس سے کچھ دریافت کرنا چاہے تو وہ اس طرح نہیں کریگا کہ اسے کان سے پکڑ کر کہے کہ بتاؤ فلاں بات کس طرح ہے؟ بلکہ سارے آداب کو مدِ نظر رکھ کر اس سے بات کریگا۔ غرض جو اپنے سے بالا ہو اس سے سوال کرینگے اور آداب ہوتے ہیں اور جو کمتر ہو اسکے آداب اور ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ

خدا تعالیٰ کے وجود کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں وہ اسے ایک طالب علم یا امیدوار ملازمت کی حیثیت میں نہیں پیش کرتے کہ ممتحن یا ملازم رکھنے والے اپنی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں اور جو چاہیں اس سے پوچھیں وہ بادشاہ ہے سب بادشاہوں کا مالک ہے آقا ہے حاکم ہے خالق ہے محسن ہے ہمارا ذرہ ذرہ اسکی پیدائش ہے۔ اگر ایک شخص اسکی ذات عالی کے متعلق بطور فرض کے بھی سوال کرے تو اسے مدِّ نظر رکھنا ہوگا کہ وہ کس ہستی کے متعلق سوال کر رہا ہے۔ ذرا غور کرو کہ اگر کوئی کہے کہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں یا ڈپٹی کمشنر ہوں تو کیا لوگ یہ کیا کرتے ہیں۔ کہ اپنی مرضی کے سوالات بنا کر اسکے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انکو حل کر دو۔ تب ہم تمھیں افسر پولیس یا ڈپٹی کمشنر مانینگے۔ دنیا میں کوئی شخص بھی حکام کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ایسا نہیں کرتا بلکہ اگر شک ہو تو ان سے ثبوت طلب کرتے ہیں آگے انکی مرضی ہوتی ہے کہ وہ جس رنگ میں چاہیں ثبوت دیں اگر وہ ثبوت انکے دعویٰ کو ثابت کرنیوالا ہو تو لوگوں کو ماننا پڑتا ہے خواہ وہ اس رنگ کا نہ ہو جس رنگ کا ثبوت کہ لوگ چاہتے تھے۔ اسی طرح کیا کوئی شاگرد یہ بھی کہا کرتا ہے کہ میں اُستاد کا امتحان پہلے لیلوں پھر سمجھونگا کہ وہ میرا اُستاد بننے کے قابل ہے یا نہیں۔ جب وہ اس سے پڑھیگا اسے خود ہی اس کی قابلیت یا جہالت کا علم ہو جائیگا۔ یا بادشاہ کی مثال لو۔ اگر کسی بادشاہ کے متعلق کوئی سوال مثلاً یہی ہو کہ وہ گھوڑے کی سواری جانتا ہے یا نہیں تو کیا منکر اس سوال کو اس طرح حل کریگا کہ کہیگا کہ فلاں گھوڑے پر چڑھ کر فلاں گلی میں سے گذرے تب میں مانونگا کہ وہ سوار ہے یا یہ کریگا کہ اگر بادشاہ سے پوچھ سکتا ہے تو اس سے پوچھ لیگا کہ کیا آپ سواری اچھی جانتے ہیں؟ یا پوچھ بھی نہیں سکتا تو جو اسکے مقرب ہیں ان سے دریافت کریگا اور اگر یہ بھی طاقت نہیں تو ایسے موقعہ کا منتظر رہیگا جب وہ سوار ہو کر نکلے اور اسکی سواری کا اندازہ کر سکے اگر ایسا شخص بادشاہ کے پاس جاکر اس قسم کا سوال کریگا کہ چلکر امتحان دو تو یقیناً یہ سزا پائیگا۔

پس خدا تعالیٰ چونکہ ہماری ماتحت نہیں۔ بلکہ ہم اسکے ماتحت ہیں۔ اور وہ سب پر غالب اور سب کا حاکم ہے۔ اس لئے اس کا پتہ لگانے کیلئے یہ کہنا درست نہیں۔ کہ جس طرح ہم کہیں۔ اس طرح کر دے تو ہم مانینگے۔ بلکہ خدا کے انبیائؑ سے اسکی ہستی کے متعلق دریافت کرنا چاہیئے۔ جو خدا تعالیٰ کو اسکی شان کے مطابق تمام آداب کو مدِّ نظر رکھ کر اس کا پتہ لگاتے ہیں۔ یا خود خدا تعالیٰ کی شان کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس کا پتہ لگانا چاہیئے۔ اور خدا تعالیٰ جو ثبوت پیش کرے اگر وہ ثبوت کی حد تک پہنچ جائے تو اسے قبول کرنا چاہیئے۔ نہ کہ یہ کہنا چاہیئے کہ جس طرح ہم خود چاہیں۔ اس طرح خدا کر دے۔

اگر کہا جائے کہ بادشاہ کی مثال درست نہیں۔ کیونکہ بادشاہ آدمی ہی ہوتا ہے اور وہ انسان کی

ہر ایک خواہش کو پورا نہیں کرسکتا۔ لیکن خدا تعالیٰ تو پورا کرسکتا ہو۔ پھر اسکے متعلق کیوں نہ یہ کہیں۔ کہ جس طرح ہم چاہتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنی ہستی کا ثبوت دے۔ تو اس کا جواب یہ ہو کہ یہ غلط ہے کہ بادشاہ اس لئے لوگوں کے مطالبات کے مطابق اپنا امتحان نہیں دیتا کہ اس کا وقت خرچ ہوتا ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اسے اپنے عہدہ کے خلاف سمجھتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے کس طرح ان مطالبات کو قبول کرسکتا ہے۔

دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ اگر انسان کی خواہش کو پورا کرکے ہی خدا کی ہستی کا ثبوت دیا جاسکتا ہے تو پھر درحقیقت خدا تعالیٰ کا وجود ثابت ہی نہیں کیا جاسکتا۔ فرض کرو دو شخص سندر سنگھ اور آتما سنگھ ہوں اور ان میں مقدمہ ہو۔ ان میں سے ہر ایک کہے کہ میرے نزدیک خدا کی ہستی کا ثبوت یہ ہو سکتا ہے کہ اس مقدمہ میں میں جیت جاؤں اور میں صرف اسی صورت میں اسے مان سکتا ہوں تو خدا تعالیٰ کس کے مطالبہ کو پورا کرے۔ اگر ایک کے مطالبہ کو پورا کرے۔ تو دوسرا رہ جائیگا۔ یا مثلاً گذشتہ جنگ میں ہی جرمن کہتے۔ کہ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو ہم اسے مان لینگے۔ ادھر انگریز کہتے۔ کہ اگر خدا نے ہمیں فتح دی تو ہم اسے مان لینگے۔ اب فتح تو ایک فریق کو ہی ہو سکتی تھی۔ اسلئے دوسرا فریق انکار پر ہی قائم رہتا۔ پس اس طرح اگر خدا کا ثبوت طلب کرنا درست ہو تو کم سے کم آدھی دنیا کے لئے تو ہدایت کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ چور کہتے کہ اگر ہمیں چوری میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو ہم سمجھینگے خدا کوئی نہیں۔ ادھر مال والے کہتے اگر ہماری چوری ہوئی تو ہم خدا کے وجود کے ہرگز قائل نہ ہونگے اگر کوئی خدا ہے تو اسے چاہیئے کہ ہمارے اموال کی حفاظت کرے۔ یہی حال دوسری باتوں میں ہوتا۔ اور اس طرح قانون قدرت بالکل تباہ ہو جاتا۔ اگر کہو کہ خدا کسی ایک کو ہی اس طرح ثبوت دیدیتا۔ تو باقی لوگ مان لیتے ہم کہتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے۔ تو کیا وجہ ہو کہ جو ثبوت خدا تعالیٰ نے دیئے ہیں تم ان کے یقینی ہونیکے باوجود انکو نہیں مانتے۔ اگر تمہارا حق ہے کہ جو تمہارے مطالبے کے سوا ثبوت دیئے جائیں انہیں رد کردو تو کیوں یہی حق دوسروں کو نہ ہو۔

شرک کیا چیز ہے
شرک کے اقسام

شرک کی کوئی ایک تعریف نہیں ہے بلکہ مختلف نقطۂ نگاہ سے اس مرض کی حقیقت کو سمجھا جاسکتا ہے۔ جبتک اسے ایک تعریف کے اندر لانیکی کوشش ہوتی رہیگی اسی وقت تک یہ مسئلہ عقدۂ لاینحل رہیگا میری نزدیک اسے سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل تقسیم بہت مفید ہو سکتی ہے۔

شرک کی پہلی قسم | اوّل یہ خیال کرنا کہ ایک سے زیادہ ہستیاں ہیں جو یکساں طاقتیں رکھتی ہیں اور سب کی

دنیا کی حاکم اور سردار ہیں۔ یہ شرک فی الذات ہے۔

شرک کی دوسری قسم دوسرے یہ خیال کرنا کہ دنیا کی مدبّرہ ہستیاں ایک سے زیادہ ہیں جنمیں کمالات تقسیم ہیں۔ کسی میں کوئی کمال ہے اور کسی میں کوئی۔ یہ شرک ہے۔ اور یہ بھی درحقیقت شرک فی الذات ہی ہے۔

شرک کی تیسری قسم تیسرے وہ اعمال جو مختلف قوموں میں عاجزی اور انکساری کیلئے اختیار کیئے گئے ہیں۔ ان میں سے جو حد درجہ کے انتہائی عاجزی کے اعمال ہیں انکو خدا کے سوا کسی اور کے لئے کرنا شرک ہے مثلاً سجدہ ہے۔ انتہائی تذلّل اور ادب کا ذریعہ یہی ہے کہ سجدہ کیا جائے۔ اس سے بڑھکر اور کوئی طریق نہیں کیونکہ اسمیں انسان اپنے آپکو گویا خاک میں ملا دیتا ہے۔ اس سے بڑھکر تذلّل کا ذریعہ انسانی عقل تجویز ہی نہیں کر سکتی۔ پس یہ عمل صرف خدا کے لئے ہی کرنا چاہیئے۔ اور کسی کے لئے نہیں کرنا چاہیئے تا خدا تعالیٰ میں اور دوسرے وجودوں میں امتیاز قائم رہے۔ اس خصوصیت کی نسبت یہ خیال کر لینا چاہیئے کہ جس قدر اعمال انکسار اور تذلّل کے تھے خدا تعالیٰ نے انکے متعلق کہا کہ ان میں سے ایک میرے لئے رکھدو۔ اور باقی بیشک اوروں کیلئے استعمال کرو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ وہی میرے لئے۔ اور وہی دوسروں کے لئے۔ کیونکہ یہ میری شان کے خلاف ہے۔ اسلئے میرے لئے ایک عمل کو علیحدہ کردو۔ اگر وہ عمل اوروں کیلئے کروگے تو اس کا یہ مطلب لیا جائیگا کہ تم انکو بھی میرے برابر قرار دیتے ہو۔ سجدہ کے علاوہ مختلف اقوام میں مختلف حرکات بدن انتہائی تذلّل کیلئے سمجھی گئی ہیں جیسے ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا۔ رکوع۔ دو زانو ہوکر بیٹھنا۔ ان سب کو خدا تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے اور عبادت الٰہی کا حصّہ بنا دیا ہے۔ پس یہ عمل اب اور کسی کے لئے کرنے جائز نہیں ہیں اور شرک میں داخل ہیں۔

شرک کی چوتھی قسم چوتھی قسم شرک کی یہ ہے کہ اسباب ظاہری کے متعلق یہ سمجھے کہ ان سے میری سب ضروریات پوری ہو جائینگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے تصرّف کا خیال دل سے مٹا دے۔ اور یہ خیال کرے کہ صرف اسباب ہی ضرورت کو پورا کرنیوالے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی سمجھے کہ روٹی کھانے سے ضرور پیٹ بھر جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ کی قضاء کا اب اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔ تو یہ شرک ہوگا۔ یا جو کپڑا پہنے اسکے متعلق سمجھے کہ یہ ضرور سردی سے بچا لیگا۔ تو یہ بھی شرک ہوگا۔ یا کوئی سامان مہیّا کرے اور سمجھے کہ اسکے ذریعہ ضرور میرا کام ہو جائیگا۔ یہ بھی شرک ہے۔ ہاں اگر یہ خیال کرے کہ ان سامانوں میں خدا نے یہ طاقت رکھی ہے اور اسکے فعل اور ارادے کے ماتحت انکے نتائج پیدا ہونگے تو یہ شرک نہیں ہوگا۔ پس شرک کی ایک قسم یہ ہے کہ آخری تصرّف جو خدا کو دینا چاہیئے وہ اسباب کو دیدے۔ اس شرک کے اندر بھی یہی حقیقت مخفی ہے کہ انتہائی مقام تصرّف کا خدا سے لیکر اور چیزوں کو دیدیا ہے۔

شرک کی پانچویں قسم پانچویں قسم شرک کی یہ ہے کہ خدا کی وہ مخصوص صفات جو اس نے بندوں کو

نہیں دیں۔ جیسے مردہ کو زندہ کرنا۔ یا کوئی چیز پیدا کرنا۔ یا یہ کہ خدا نے کہا ہے میں ازلی ہوں اور میرے سوا اور کوئی ازلی نہیں۔ یا یہ بتایا ہے کہ میں فنا سے محفوظ ہوں جبکہ دوسری سب فنا کا شکار ہیں ایسے سب امور میں خدا تعالیٰ کی خصوصیت کو مٹا دینا اور ان صفات میں کسی اور کو شریک کر دینا خواہ اس عقیدہ کی بنا پر کہ خدا نے اپنی مرضی اور اپنے اذن کے ساتھ یہ صفات یا انکا کچھ حصہ کسی خاص شخص کو دیدیا ہے۔ شرک ہے۔ اس شرک میں افسوس ہے کہ اب مسلمان بھی مبتلا ہیں۔ حالانکہ یہ بہت کھلا اور ظاہر شرک ہے۔ مسلمانوں کا عام طور پر یہ خیال ہے حضرت عیسیٰ ابھی تک زندہ ہیں۔ حالانکہ ہر انسان کے لئے فنا ہے اور فنا سے صرف خدا کی ذات محفوظ ہے اور غیر طبعی زندگی اور وہ بھی ایسی کہ اسمیں نہ کھانا ہے نہ پینا نہ حوائج انسانی کا پورا کرنا درحقیقت ابدیت کا ہی دوسرا نام ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ تو ضرور ہی ایک انسان کو مار دیتا ہے۔ پھر خواہ ابدی زندگی ہی دیدے۔ یہ بھی ایک جہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس دنیا میں جنت نہیں بنایا تاکہ لوگوں کو ایسے آدمی دیکھ کر جو موت سے محفوظ ہوں خدا تعالیٰ کی ابدیت کی حقیقت میں شبہ نہ پیدا ہو جائے۔

چھٹی قسم شرک کی چھٹی قسم شرک کی یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب کو بالکل نظر انداز کر دے اور یہ سمجھے کہ کسی شخص یا کسی چیز نے بلا ان اسباب کے استعمال کرنیکے جو خدا تعالیٰ نے کسی خاص کام کیلئے مقرر کیئے ہیں اپنی ذاتی اور خاص طاقت کے ذریعہ سے اس کام کو کر دیا ہے مثلاً خدا تعالیٰ نے آگ کو جلانے کیلئے پیدا کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ کسی شخص نے بلا آگ اور بلا ایسے ہی دوسرے ذرائع کے استعمال کرنیکے اپنی ذاتی طاقت سے آگ لگادی اور قانون قدرت کو توڑ دیا یہ شرک ہے۔ لیکن اسمیں مسمریزم وغیرہ شامل نہیں کیونکہ یہ طاقتیں خود قانون قدرت کے اندر ہیں اور کسی شخص کے ذاتی کمالات نہیں بلکہ سب لوگوں میں موجود ہیں اور قانون قدرت کے صحیح استعمال کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں۔ پس جو جو کام اس قسم کی طاقتوں کے ذریعہ سے ہو سکتے ہیں جیسے کہ اعصاب کی حس کو مار دینا بے ہوش کر دینا جسم کو سخت کر دینا وغیرہ انپر یقین لانا شرک نہیں کہلائیگا۔

پس جو اسباب خدا نے کسی چیز کے ہونیکے لئے رکھے ہیں۔ انکے بغیر خیال کرنا کہ کوئی شخص اپنے زور سے کام کر دیگا۔ بغیر اسکے کہ یہ سمجھے کہ وہ دعا کرکے خدا سے وہ کام کرا دیگا۔ یہ شرک ہے۔

ساتویں قسم شرک کی ساتویں یہ سمجھنا کہ خدا کو کسی بندہ سے ایسی محبت ہے۔ کہ ہر ایک بات اسکی مان لیتا ہے، یہ بھی شرک ہے کیونکہ اسکے یہ معنی ہوئے کہ وہ بندہ خدائی طاقتیں رکھتا ہے۔ ہر ایک بات جو وہ کہتا ہے۔ قبول ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے آدمی کو خدا سمجھا جائے۔ اگر اسے خدا کا غلام بھی سمجھا جائے مگر اسکی نسبت یہ خیال کیا جائے کہ اس سے خدا کو ایسی محبت ہے کہ اسکی ہر ایک بات قبول کر لیتا ہے۔ یہ شرک ہے۔ ساری پیر فقیر جنکے متعلق لوگ ایسا خیال رکھتے ہیں۔ اسکے اندر آجاتے ہیں۔ ہماری جماعت کو بھی ایسے خیالات سے بچنا چاہیئے بعض

لوگوں کو میں دیکھتا ہوں بعض دفعہ کہدیتے ہیں یا لکھدیتے ہیں کہ اگر آپ دعا کرینگے تو وہ ضرور قبول ہوگی۔ خدا تعالےٰ بادشاہ ہے کسی کا غلام نہیں۔ اس قسم کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کی ہتک ہوتی ہے اور شرک پیدا ہوتا ہے۔ میں تو کیا چیز ہوں جن لوگوں کے قدموں کی خاک کے برابر بھی میں نہیں یہ رتبہ انکو بھی حاصل نہ تھا۔

آٹھویں قسم شرک کی

آٹھویں قسم شرک کی یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کے متعلق جسے خدا کے قانون قدرت نے کسی کام کے کرنے کیلئے کوئی طاقت نہیں دی۔ اسکے متعلق خیال کرلیا جائے کہ وہ فلاں کام کریگی۔ جیسے مثلاً خدا نے مُردہ کو طاقت نہیں دی کہ اس دنیا میں کوئی تصرف کرسکے۔ اب اگر کوئی کسی مردہ کو جا کر کسی تصرف کیلئے کہتا ہے۔ تو شرک کرتا ہے۔ اسی طرح بتوں۔ دریاؤں۔ سمندروں۔ سورج۔ چاند وغیرہ چیزوں سے دعائیں کرنا اور کرانا بھی شرک ہے۔

نویں قسم شرک کی

نویں قسم شرک کی یہ ہے کہ ایسے اعمال جو مشرکانہ رسوم کا نشان ہیں گو اب شرک کی مشابہت نہیں رکھتے۔ انکا بلا ضرورت طبعی ارتکاب کرے۔ مثلاً ایک شخص کسی قبر پر جا کر نہ دعا کرے نہ کرائے نہ صاحب قبر کو خدا سمجھے لیکن وہاں دیا جلا کر رکھ آئے۔ تو یہ فعل بھی شرک کے اندر آجائیگا۔ کیونکہ یہ عمل پہلے زمانہ کے مشرکانہ اعمال کا بقیہ ہے۔ وہ لوگ خیال کرتے تھے کہ مُردے قبروں پر واپس آتے ہیں اور جن لوگوں کی نسبت معلوم کرتے ہیں کہ انہوں نے انکی قبروں کا احترام کیا ہے انکے کام کردیتے ہیں۔ اسلئے لوگ قبروں پر دیئے یا اور بعض چیزیں رکھ آتے تھے۔ ان یادگاروں کو تازہ رکھنا بھی چونکہ شرک کی مدد کرنا ہے اسلئے شرک میں ہی داخل ہے۔ درختوں پر رسیاں وغیرہ باندھنی یا قبروں پر پردے چڑھانے ٹونے کرنے یہ سب امور اس قسم کے شرک میں شامل ہیں اور سب اسلام کے نزدیک قطعی حرام ہیں۔ میں نے جو یہ لکھا ہے کہ بلا ضرورت طبعی ایسے کام کرنے منع ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کہیں جارہے تھے اندھیرا ہوگیا اور کسی مقبرہ میں ٹھیر گئے۔ ایسی صورت میں یہ نہیں کہ وہاں اندھیرے میں ہی بیٹھا رہے۔ بلکہ اگر روشنی کا سامان کرسکتا ہے تو اسکے لئے جائز ہے کہ دیا جلائے۔

دسویں قسم شرک کی

دسویں قسم شرک کی یہ ہے کہ خواہ عمل نہ ہو مگر دل میں محبت۔ ادب۔ خوف اور امید کے جذبات خدا کی نسبت اوروں سے زیادہ رکھتا ہو یا خدا کے برابر رکھتا ہو۔

ان دس قسموں کے باہر کسی قسم کا شرک میرے نزدیک نہیں بچتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں سب اقسام شرک کی۔ ان دس قسموں میں آجاتی ہیں۔

مجھے ساری عمر اس بات کی جستجو اور تلاش رہی ہے کہ شرک کیا ہے؟ لوگ کہتے ہیں۔ یہ موٹی بات ہے۔ مگر میں طالب علمی کے زمانہ میں اسے سمجھنا چاہتا تھا اور سمجھ نہیں سکتا تھا۔ یہ جانتا تھا کہ یہ بات شرک ہے اور یہ نہیں۔ لیکن ایسی تعریف نہیں ملتی تھی کہ جسکے اندر شرک کی سب اقسام آجائیں اور ایسی بات جسمیں داخل نہ ہو جو شرک نہ ہو۔ آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ شرک کی ایک تعریف کرنا ہی غلطی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے وجود کا تصور کبھی ذات کے لحاظ سے ہوتا ہے کبھی ان صفات کے لحاظ سے جنہیں مخلوق کو کسی قسم کی بھی قدرت نہیں دیگئی کبھی ان صفات کے لحاظ سے جنہیں بظاہر بندے بھی شریک ہوتے

ہیں اسلئے سب امور کو مدِ نظر رکھ کر شرک کی مختلف اقسام کی تعریف الگ الگ ہی کرنی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ مادہ کا خالق ہے

یہ بات کہ خدا تعالیٰ مادہ کا خالق ہے یا نہیں ہے اس کا فیصلہ انسانی قواعد اور انسانی طاقتوں کو مدِ نظر رکھکر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اسکے اور طریق ہیں اور میرے نزدیک وہ ایسے سہل ہیں کہ انپڑھ آدمی بھی انکے ذریعے سے حق کو معلوم کرسکتے ہیں۔ دیکھو جب کبھی کسی کھیت کی مینڈھ کے متعلق جھگڑا پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک کہتا ہے میری زمین کی اس جگہ پر حد ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے یہاں نہیں وہاں ہے۔ تو اسکے فیصلہ کیلئے حدود برآری کرایا کرتے ہیں۔ یہاں بھی مادہ کے متعلق جھگڑا پیدا ہوگیا کہ یہ آپ ہی آپ ہمیشہ سے ہے۔ یا خدا نے اسے پیدا کیا ہے۔ اسکے متعلق بھی حدود برآری کرانیکی ضرورت ہے۔ اور اس طریق کے اختیار کرنیکی ضرورت ہے جو حدود برآری کے وقت استعمال کیا جاتا ہے زمین کی حدود برآری کے لئے یہی کرتے ہیں کہ ایک مستقل جگہ منتخب کرتے ہیں۔ جو بدلنے والی نہ ہو۔ مثلاً پرانا کوآں یا پرانا درخت۔ کاغذات میں اسکی جو جائے وقوع درج ہوگی اسے اصل قرار دیکر حد برآری کرینگے۔ اس کوئیں یا درخت کے آگے جس قدر زمین سرکاری کاغذات میں لکھی ہو اسکے مطابق ناپ لینگے پھر جس قدر زمین کسی کے قبضہ میں ثابت ہو اسے دیدینگے۔

اسی طرح صفات باری کے متعلق ہم غور کرسکتے ہیں یعنی ایسے امور کو لیکر جو مسلمہ ہیں ہم غور کریں کہ وہ مختلف فیہ مسئلہ کی کس شق کی تائید کرتے ہیں جس خیال اور رائے کی مسلمہ امور تائید کریں وہی تسلیم کرنی ہوگی۔ کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ جس رائے کی دوسرے امور تائید کریں وہ غلط ہو اور جسکی دوسرے امور تردید کریں وہ صحیح ہو۔ یہ اسی طرح ناممکن ہے کہ جسطرح یہ ناممکن ہے کہ مختلف درختوں سے پیمائش کے بعد جو جگہ کھیت کی ثابت ہو وہ غلط ہو اور محض خیالی اور وہمی مقام درست ہو۔

اس مسئلہ میں جن مقامات کو ہم حدود برآری کے لئے چن سکتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں اگر خدا تعالیٰ کی وہ صفات جنکے متعلق آریہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسکے اندر پائی جاتی ہیں وہ اس امر کی تائید کریں کہ خدا تعالیٰ مادہ کا خالق ہے تو پھر ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ وہ مادہ کا خالق ہے۔ لیکن اگر وہ اس خیال کو رد کریں تو ماننا پڑیگا کہ وہ مادہ کا خالق نہیں ہے۔

خدا کی صفت علیم مادہ کے مخلوق ہونے پر دلالت کرتی ہے

میں ان صفات میں سے جو میرے نزدیک اس سوال پر روشنی ڈالتی ہیں خدا تعالیٰ کی صفت علیم کو سب سے پہلے پیش کرتا ہوں۔ آریہ لوگ بھی خدا تعالیٰ کو اسی طرح علیم مانتے ہیں جسطرح کہ ہم مانتے ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ہر ایک بات کا علم ہے اور اسکا علم کامل ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے خالق مادہ ہونیکے سوال کی صحیح حد برآری کرنے کیلئے علم کامل ایسی صفت ہے جسپر مکمل طور پر

یقین کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دونو فریق تسلیم کرتے ہیں کہ یہ غیر متبدل مقام ہے اسکے حقیقی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اب اگر غور سے کام لیا جائے تو علم کامل کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کی نسبت علم کامل ہو اسکے بنانیکی بھی قابلیت ہو۔ چنانچہ سینکڑوں چیزیں جو پہلے طبعی قوانین کے ماتحت دنیا میں پیدا ہوتی تھیں انکے متعلق یورپ والوں نے علم کامل حاصل کرکے انکو بنانا شروع کر دیا ہے۔ نیل جسے پہلے بویا جاتا تھا جرمن والے اب اسے بنا رہے ہیں۔ عطر جو پہلے پھولوں سے بنائے جاتے تھے جرمن میں اب ان میں سے اکثر کیمیائی ترکیبوں سے بنائے جاتے ہیں۔ کیونکہ خوشبو جن ترکیبوں سے پیدا ہوتی ہے وہ جرمن والوں کو معلوم ہو گئی ہے۔ وہ مختلف ادویہ کو ملا کر جس پھول کی خوشبو چاہتے ہیں بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سی چیزیں ہیں جو اب مصنوعی بننے لگ گئی ہیں جیسے ریشم وغیرہ۔ غرض ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو کسی چیز کا کامل علم ہو وہ اسکے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اس بات کے ثابت ہو جانیکے بعد اسمیں کوئی بھی شبہ نہیں رہتا کہ اگر خدا تعالیٰ کو علم کامل ہے تو یقیناً وہ مادہ کے بنانے پر بھی قادر ہے اور اگر وہ مادے کے بنانے پر قادر نہیں تو اس کا علم بھی کامل نہیں۔ پس علم جو ہمارے اور آریوں کی مسلمہ ہے وہ اسی امر کی تصدیق کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو مادہ پیدا کرنے پر قادر ہونا چاہیئے۔

صفت مالکیت سے مادہ کے مخلوق ہونیکا ثبوت

اب بھی اگر کسی کی تسلی نہ ہو تو پھر کسی اور صفت کو مستقل قرار دیکر پیمائش شروع کیجا سکتی ہے۔ میں اس غرض کیلئے خدا تعالیٰ کی صفت مالکیت کو لیتا ہوں۔ اس صفت کو ہم بھی مانتے ہیں۔ اور فریق مخالف بھی اب ہم دیکھتے ہیں کہ ملکیت کس طرح پیدا ہوتی ہے؟ ملکیت یا تو اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ کوئی شخص ورثہ سے کوئی چیز حاصل کرتا ہے یا کوئی اسے دیتا ہے یا وہ خریدتا ہے یا خود بناتا ہے یہی چار ذریعے ملکیت کے ہیں یعنی ورثہ۔ تحفہ۔ خرید اور خلق یا صنعت۔ خدا تعالیٰ جو مالک کہلاتا ہے تو کس لحاظ سے آیا اسے کسی نے تحفہ دیا ہے یا اس نے خریدا ہے یا بنایا ہے آریہ لوگ بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ پہلے تین ذریعوں سے خدا کو مادہ پر ملکیت حاصل ہوتی ہے اسلئے اگر وہ مالک ہے تو ماننا پڑیگا کہ اسے ملکیت پیدا کرنیکے سبب سے حاصل ہوئی ہے۔ اور اگر یہ ثابت نہیں ہے تو خدا تعالیٰ مادہ کا مالک نہیں ہے بلکہ نعوذ باللہ غاصب ہے۔

خدا تعالیٰ کی دیگر صفات سے مادہ کے مخلوق ہونیکا ثبوت

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات لیکر جب اس مسئلہ کو حل کیا جائے تو آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مادہ مخلوق ہے۔ مثلاً خدا قادر ہے۔ آریہ لوگ بھی خدا کو قادر مانتے ہیں۔ اور ہم بھی۔ لیکن اگر خدا مادہ کو پیدا نہیں کر سکتا۔ تو اسکی قدرت کامل نہ ہوئی وہ کہتے ہیں کہ روح و مادہ کا جوڑنا خدا کی قدرت ہے۔ مگر ان کا بنانا اس سے بھی اعلیٰ قدرت ہے۔ اسلئے یہی درست ہے کہ خدا نے مادہ پیدا کیا پھر وہ کہتے ہیں کہ خدا مہربان اور رحیم ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ اگر خدا روح مادہ کا خالق نہیں۔ تو اس کا کیا حق ہے

کہ روح اور مادہ کو کسی سبب سے سزا دے جب وہ اپنے وجود میں اسکے محتاج ہی نہیں تو خدا تعالیٰ کا یہ بھی حق نہیں کہ ان کے لئے کوئی قانون بنائے اور جب اس کا یہ حق نہیں کہ انکے لئے کوئی قانون بنائے تو اسے یہ بھی حق نہیں کہ اس قانون کے توڑنے پر انہیں کوئی سزا دے۔ جو توڑنے والے سے ہرگز سزا دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ سزا کا حق تو بادشاہت سے حاصل ہوتا ہے اور وہ اسے حاصل نہیں۔ کیونکہ نہ اس نے روح و مادہ کو پیدا کیا نہ انہوں نے اپنا اختیار اسکے ہاتھ میں دیا۔ غرض روح و مادہ کو اگر مخلوق نہ مانا جائے تو خدا تعالیٰ رحیم نہیں بلکہ ظالم قرار پاتا ہے۔ لیکن چونکہ آریہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خدا رحیم ہے اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ مادہ کا خالق ہے۔ ان چاروں حدود سے مادہ کا مخلوق ہونا ثابت ہو گیا۔ اب بھی اگر کوئی کہے کہ خدا نے مادہ کو پیدا نہیں کیا تو ہم یہی کہینگے کہ یہ خیال تمھاری سمجھ کے قصور سے پیدا ہوا ہے۔

انجیل کوئی کتاب نہیں ہے

پہلے اسکے کہ میں اپنے دعویٰ کو مدلّل اور مصرّح بیان کروں۔ میں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس فقرہ سے میری مراد کیا ہے۔ سو جاننا چاہئیے کہ انجیل کے کتاب نہ ہونے سے میری مراد وہی ہے جو مراد قرآن کریم نے اور حدیث شریف اور خود انجیل اور اقوال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے انجیل کے کتاب نہ ہونے سے لی ہے جیسا کہ آگے ثابت کیا جائیگا۔

پس آپ پھر ایک دفعہ اس فقرے کو سن لیں اور غور سے سن لیں کہ "انجیل کوئی کتاب نہیں ہے اور میری مراد اس سے یہ ہے کہ انجیل کوئی قانون۔ تعزیرات "شریعت۔ لا۔ کی کتاب نہیں ہے۔ ورنہ میری مراد یہ نہیں ہے کہ انجیل کی باتیں کاغذوں پر لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ یا کاغذوں کے چند دستے اس پر خرچ نہیں ہوئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

(۱) وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ (سورۃ البقرۃ ع ۱۱) ترجمہ اور دی ہم نے موسیٰ کو "الکتاب" یعنی شریعت اور پیروی کرنے والے بنایا ہم نے بعد اسکے رسولوں کو دیئے رسول جو موسیٰ کے پیرو تھے حضرت عیسیٰ تک آتے رہے اور دیئے ہم نے معجزات عیسیٰ ابن مریم کو۔ اور تائید کی ہم نے اس کی ساتھ روح القدس کے۔

اس آیت میں یہ نہیں بتلایا کہ عیسیٰ کو بھی "الکتاب" دی۔ صرف معجزات بتلایا ہے جو ہر نبی کو لانا ضروری

ان آیات میں موسیٰؑ کی کتاب کے بعد صرف قرآن کریم کو ہی کتاب کہا ہے۔ اگر توریت کے بعد انبیاءؑ کے الہامات کتاب ہوتے تو ضرور انکا ذکر بھی کیا جاتا۔ مگر چونکہ وہ کتاب نہیں تھے اسلئے انکو قرآن نے کتاب کا نام نہیں دیا۔

(۶) ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً لَّعَلَّھُمْ بِلِقَآءِ رَبِّھِمْ یُؤْمِنُوْنَ۔ وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا۔ وَاِنْ کُنَّا عَنْ دِرَاسَتِھِمْ لَغٰفِلِیْنَ۔ (سورۃ الانعام۔ رکوع ۱۹-۲۰) ترجمہ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب اس میں اچھی اچھی نصائح تھیں اور ہر ایک حکم تفصیل سے بیان کیا ہوا تھا۔ اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ اپنے ربّ کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ اور یہ کتاب (قرآن کریم) مبارک ہم نے اسکو نازل کیا پس اسکی پیروی کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔ تاکہ ایسا عذر نہ کرو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود۔ نصاریٰ) پر ایک کتاب نازل کیگئی تھی اور ہم اسکے پڑھنے پڑھانے سے ناسمجھ تھے۔

ان آیات میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اوّل یہ کہ توریت کے بعد قرآن کو کتاب کہا ہے۔ اگر انجیل کتاب ہوتی تو اسکو بھی دلیل میں پیش کیا جاتا۔ کیونکہ اس جگہ قرآن کے نزول کی ضرورت بیان کرتا ہے۔ دوئم یہ کہ ان دو گروہوں یعنی یہود۔ نصاریٰ پر ایک ہی کتاب نازل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اگر انجیل بھی کتاب ہوتی تو آیت میں کتابانِ یعنی دو کتابیں مذکور ہوتیں۔

(۷) فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ (سورۃ یونس۔ رکوع ۱۰) ترجمہ پس اگر تو شک میں ہے اس چیز سے جو ہم نے تیری طرف نازل کی ہے پس پوچھ ان لوگوں سے جو تم سے پہلے ایک "کتاب" پڑھتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ یعنی یہود و نصاریٰ ایک ہی "کتاب" پڑھتے تھے۔ پس اگر انجیل بھی کوئی کتاب ہوتی تو ایک "کتاب" پڑھنے کا ذکر نہ کیا جاتا۔

(۸) اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً۔ (سورۃ ہود۔ رکوع ۲) ترجمہ۔ بھلا جو شخص اپنے ربّ سے ایک نشان پر ہے اور اسکے پیچھے ایک گواہ بھی ہے یعنی مسیح موعودؑ جو اسی کی اُمّت سے ہے اور اسکے پہلے موسیٰؑ کی کتاب ہے جو امام اور رحمت ہے۔ (وہ کس طرح جھوٹا ہو سکتا ہے)

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح جھوٹا ہو سکتا ہے۔ جو ایک کھلا نشان اپنے

ان آیات میں موسیٰؑ کی کتاب کے بعد صرف قرآن کریم کو ہی کتاب کہا ہے۔ اگر توریت کے بعد انبیاءؑ کے الہامات کتاب ہوتے تو ضرور انکا ذکر بھی کیا جاتا۔ مگر چونکہ وہ کتاب نہیں تھے اسلئے انکو قرآن نے کتاب کا نام نہیں دیا۔

(۶) ثم اٰتینا موسی الکتاب تماماً علی الذی احسن و تفصیلاً لکل شیءٍ وھدًی ورحمة لعلھم بلقاء ربھم یومنون۔ وھٰذا کتاب انزلنٰہ مبارک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون۔ ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا۔ وان کنا عن دراستھم لغافلین۔ (سورۃ الانعام۔ رکوع ۱۹-۲۰) ترجمہ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب اس میں اچھی اچھی نصائح تھیں اور ہر ایک حکم تفصیل سے بیان کیا ہوا تھا۔ اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔ اور یہ کتاب (قرآن کریم) مبارک ہم نے اسکو نازل کیا پس اسکی پیروی کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔ تاکہ ایسا عذر نہ کرو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود۔ نصاریٰ) پر ایک کتاب نازل کیگئی تھی اور ہم اسکے پڑھنے پڑھانے سے ناسمجھ تھے۔ ان آیات میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول یہ کہ توریت کے بعد قرآن کو کتاب کہا ہے۔ اگر انجیل کتاب ہوتی تو اسکو بھی دلیل میں پیش کیا جاتا۔ کیونکہ اس جگہ قرآن کے نزول کی ضرورت بیان کرتا ہے۔ دوئم یہ کہ ان دو گروہوں یعنی یہود۔ نصاریٰ پر ایک ہی کتاب نازل ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اگر انجیل بھی کتاب ہوتی تو آیت میں کتابانِ یعنی دو کتابیں مذکور ہوتیں۔

(۷) فان کنت فی شکٍ مما انزلنا الیک فسئل الذین یقرءون الکتاب من قبلک (سورۃ یونس رکوع ۱۰) ترجمہ پس اگر تو شک میں ہے اس چیز سے جو ہم نے تیری طرف نازل کی ہے پس پوچھ ان لوگوں سے جو تم سے پہلے ایک "کتاب" پڑھتے ہیں۔ ان آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ یعنی یہود و نصاریٰ ایک ہی "کتاب" پڑھتے تھے۔ پس اگر انجیل بھی کوئی کتاب ہوتی تو ایک "کتاب" پڑھنے کا ذکر نہ کیا جاتا۔

(۸) افمن کان علی بینةٍ من ربہ و یتلوہ شاھدٌ منہ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمة۔ (سورۃ ہود۔ رکوع ۲) ترجمہ۔ بھلا جو شخص اپنے رب سے ایک نشان پر ہے اور اسکے پیچھے ایک گواہ بھی ہے یعنی مسیح موعودؑ جو اسی کی اُمت سے ہے اور اسکے پہلے موسیٰؑ کی کتاب ہے جو امام اور رحمت ہے۔ (وہ کس طرح جھوٹا ہو سکتا ہے۔)
مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح جھوٹا ہو سکتا ہے۔ جو ایک کھلا نشان اپنے

ساتھ رکھتا ہے۔ اور مسیح موعود بھی آکر اسی کی تائید و تصدیق کریگا۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہے جو اس نبی کے متعلق پیشگوئیاں بیان کرتی ہے۔ جو اسقدر اپنی نبوت کے متعلق ثبوت رکھتا ہے وہ کس طرح جھوٹا ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب فرمائی ہے۔ اگر انجیل زبور کتاب ہوتے تو قرآن انکو بھی کتاب کے نام سے فرماتا۔

(۹)، وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ (سورۃ المؤمن۔ رکوع ۶)

ترجمہ۔ اور موسیٰ کو ہم نے اصل ہدایت یعنی شریعت دی۔ اور وارث بنایا ہم نے اسی کتاب یعنی شریعت کا بنی اسرائیل کو۔

اس آیت میں بنی اسرائیل کی وراثت میں صرف ایک ہی کتاب فرمائی ہے۔ معلوم ہوا زبور۔ انجیل کتاب نہیں ہے۔

(۱۰)، وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ الخ (سورۃ الاحقاف۔ رکوع ۲)

ترجمہ۔ اور اس سے پہلے صرف ایک ہی کتاب موسیٰ کی ہے جو راہنما اور رحمت تھی۔ اور یہ قرآن کریم بھی کتاب ہے۔

اس آیت میں بھی توریت اور قرآن کریم کے درمیان دوسری کسی کتاب کا نزول ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کی نفی ہے۔

(۱۱)، وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۔ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورۃ الاحقاف۔ رکوع ۴)

ترجمہ۔ اور جب ہم نے تیری طرف ایک جنوں کا گروہ پھیرا۔ وہ قرآن کو کان لگا کر سنتے اور آپس میں کہتے خاموش ہو کر سنو۔ اور جب قرآن ختم کیا جاتا تو پھر اپنے لوگوں میں واپس جاتے اور انکو خدا کا کلام سناتے رہتے۔ اور بیان کرتے کہ اے ہماری قوم ہم ایک ایسی کتاب سنکر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کیگئی ہے۔ اور پہلی کتاب یعنی توریت کی مصدق ہے حق کا راستہ دکھلاتی ہے۔ اور صراط مستقیم پر چلاتی ہے۔

اس آیت میں بھی قرآن سے پہلے اور موسیٰ کے بعد دوسری کسی کتاب کا ذکر نہیں ہے۔

اس مضمون پر قرآن کریم سے اور بھی بہت سی آیات لکھی جا سکتی ہیں۔ مگر میں انہی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ اسکے بعد انشاء اللہ حدیث اور انجیل سے کچھ حوالے اسی مضمون کے لکھے جائینگے پھر بعد میں مخالف کے دلائل جو انجیل کے کتاب ہونے پر ہیں توڑے جائینگے +

جمالی اور جلالی مسیحؑ

[یہ مضمون ایک صاحب "آزاد خیال آدم زاد" نے لکھا ہے۔ جسمیں دکھایا گیا ہے کہ آزادانہ تحقیق بھی اس نتیجہ تک پہنچاتی ہے کہ آنے والے مسیح وہ ہیں۔ (ایڈیٹر)]

قبل ازیں کہ اس مضمون کو شروع کیا جاوے۔ مَیں ناظرین کیخدمت میں بادب التماس کرتا ہوں۔ کہ میری طرز تحریر مسیحی اور یہودی مذہب کے محاورات کے مطابق ہے۔ پس اگر وہ آپکے مذاق کے مطابق نہ ہو۔ تو مجھے معذور خیال فرمادیں۔ یہ امر کون نہیں جانتا۔ کہ "موجودہ بائیبل کی ابواب و آیات کی تقسیم شروع سے نہ تھی۔ بلکہ صدہا برس کے بعد مروج ہوئے۔ یعنی تقسیم ابواب کارڈی نل ہوگو نے تیرھویں صدی عیسوی میں کی تھی۔ اور تقسیم آیات شہر اسٹرڈم کے ایک یہودی بنام اتھیاس نے اپنی طبع عبری میں کی تھی جو ۱۶۶۱ء میں شائع ہوئی تھی اور مسیح کے زمانہ اور پہلے وقتوں میں اسی طرح حوالہ دیا جاتا تھا۔ جس طرح مسیح نے لوقا ۲۴/۴۴ میں دیا ہے۔" تفسیر ہارن موجودہ بائیبل کی کتب موجودہ کی ترتیب بھی شروع سے اسی طرح نہ تھی۔ بلکہ اس سے جداگانہ بھی۔ اور چونکہ طوالت کے خوف سے مضمون میں گنجائش نہیں۔ کہ اسکو مفصل طور پر پیش کیا جاوے۔ لہٰذا اسے ترک کیا جاتا ہے۔ مگر مضمون ہذا سے یہ بات متعلق ہے۔ کہ دانی ایل نبی کی کتاب کو انبیاء کی کتب میں سے نکال کر مسیح ناصری سے ایک صد سال بعد پیچھے رکھدیا گیا ہے۔ اور اسکی خاص وجہ تھی۔ جیسا آیندہ ذکر کیا جائیگا اور اسی طرح یسعیاہ نبی کی کتاب پر سے توجہ بزرگانہ اُٹھالی گئی۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہود نے ترتیب کتب کو کیوں بدل دیا۔ صحیح جواب اس سوال کا یہ ہے کہ مسیح ناصری کی آمد نے انکو اس بات پر مجبور کیا۔ اور تفصیل اسکی یوں ہے۔ کہ اگر مسیح ناصری کے متعلق یہودی تفاسیر اور علم ادب کو مطالعہ کیا جاوے۔ تو صاف عیاں ہو جاتا ہے۔ کہ مسیح دکھ بھی سہنے والا ہوگا۔ اور پھر تصویر کا دوسرا رُخ یہ کہ مسیح غالب بھی ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں مقامات ذیل بالمن طالمودی مذکرہ ہے کہ "ربی یشوع بن لیوی نے ایلیا کو ربی شمعون بن یوخی کے دروازے پر کھڑا پایا اور اس سے کہا۔ کہ کیا میں آنیوالے جہان میں پہنچونگا۔ ایلیاہ نے جواب دیا۔ اگر یہ خداوند چاہے۔ ربی یشوع بن لیوی نے کہا مَیں دیکھتا ہوں دو کو اور آواز سنتا ہوں ایک کی اس نے یہ بھی پوچھا کہ مسیح کب آویگا۔ ایلیا نے جواب دیا کہ جا اور اس سے پوچھ تب ربی یشوع نے کہا۔ کہ وہ کہاں بیٹھا ہے ہاروم کے پھاٹک پر۔ اور اس کی پہچان کیا ہے۔ وہ غریبوں اور بیماروں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ اپنے زخموں کو کھولتے اور پھر فوراً باندھتے ہیں۔ لیکن وہ باری باری ایک ایک کو کھولتا ہے۔ کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ شائد مَیں بلایا

جلوس۔ اور مجھے دیر نہ ہوجائے۔ ربی یشوع اسکے پاس گیا۔ اور کہا۔ کہ تجھ پر سلام اس نے جوابدیا۔ اے ابن لیوی تجھ پر سلام۔ تب ربی نے پوچھا۔ کہ میرا خداوند کب آویگا۔ اس نے جوابدیا آج (زبور ۹۵ : ۷)

ذکریاہ ۹/۹ کے متعلق ربی لوگ کہتے ہیں۔ کہ مسیح کے متعلق ہے۔ اور مسیح اس پیشگوئی کو پورا کریگا اور اس گدھے کا رنگ ایک خاص طرح کا ہوگا۔

سر آر سموئیل بن نخمان نے آر جوخنان نے کہا۔ تین ہیں جو اسکے نام سے قدوس کہلائینگے وہ مبارک ہو اور وہ یہ ہیں۔ راستباز۔ مسیح اور یروشلیم راستباز جیسا یسعیاہ ۴۳/۷ میں کہا ہے۔ مسیح جیسا لکھا ہے یرمیاہ ۲۳/۶ اور اسکا یہ نام رکھا جائیگا۔ یہوواہ ہماری صداقت۔ اور یروشلیم جیسا لکھا ہے حزقی ایل ۴۸/۳۵ طالمود ترجمہ بارکلی صاحب دیباچہ صفحہ ۳۶ و ۳۸

پھر برشن صاحب کے ترجمہ طالمود باب ۲ دفعہ ۳۴ میں لکھا ہے۔ ایک بادشاہ کے ایام کے مطابق۔ یسعیاہ ۲۳/۱۵ یہ بادشاہ کون ہے۔ جو ایک کرکے تبلایا گیا۔ تو کہ یہ مسیح بادشاہ ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہے پھر یہود کے قبالہ میں ہے۔ کہ لفظ آدم ان تین الفاظ کے پہلے حروف سے بنا ہے۔ یعنی آدم۔ داؤد اور مسیح کیونکہ آدم کے گناہ کرنے کے بعد اسکی روح داؤد میں رکھی گئی۔ اور اس نے بھی گناہ کیا۔ تو وہ مسیح میں گئی۔ پورا متن یہ ہے۔ "کہ وے خداوند اپنے خدا کی اور اپنے بادشاہ داؤد کی جسے میں انکے لئے برپا کرونگا خدمت کرینگے۔ یرمیاہ ۳۰/۹ اور لکھا ہے۔ کہ میرا بندہ داؤد ان کا بادشاہ ہوگا۔ حزقی ۳۷/۲۴ اور پھر یہ کہ وے خداوند اپنے خدا کو اور داؤد اپنے بادشاہ کو ڈھونڈیں گے ہوسیع ۳/۵ علاوہ اسکے معلوم ہووے کہ یہودیوں کی طالمود کا یہ عام قول ہے۔ کہ "سارے نبیوں نے فقط مسیح کی غربت اور اسکی بادشاہی کی پیشگوئی کی ہے۔ یہودیوں کی طالمود اور انکے کسدی ٹارگم اور مدارش میں اس بات کا عام تذکرہ ہے۔ اور ہر ایک نبی کی کتاب میں غربت یا اخلاص کا ذکر ہے۔ اور بھی دیکھو:۔

کتاب پیدائش ۱/۲ اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ یہ روح مسیح بادشاہ کی ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ خداوند کی روح اسپر ٹھیریگی یسعیاہ ۱۱/۲ (دیکھو برےشیہ ربا) فصل ۲ : ۸ کہاں سے تم ثابت کرتے ہو کہ مسیح بادشاہ پیدائش سے پہلے ہست تھا۔ یہاں سے "اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ اور کہ اس سے مراد مسیح بادشاہ ہے یسعیاہ ۱۱/۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کی روح اسپر ٹھیریگی (دپے سکتہ۔ تبتھی ورق ۵۰ کالم ۲۔)

احبار ۲۶/۱۲ اور میں تمہارے درمیان سیر کرونگا۔ یہ مسیح کے زمانہ کے جلال کی طرف ہے جیسا کہا گیا ہے کہ جب خداوند صیہون کو سوال کریگا۔ تب وے روبرو دیکھیں گے یسعیاہ ۵۲/۸ (دپے سکتہ سوتر تا ورق ۱۲۳ کالم ۱)

گنتی ۲۴/۱۷ یعقوب سے ایک ستارہ نکلیگا - اسرائیلیوں نے خدا سے کہا - کب تک ہم غلامی میں رہینگے اس نے جواب دیا جب تک وہ دن نہ آوے جسکی بابت کہا گیا ہے کہ یعقوب سے ایک ستارہ نکلے گا - (دیبارم ربا فصل ۱) ربیوں کی ایک روایت ہے - کہ جب مسیح پیدا ہوگا غربت خوش ہوگی اور روشن ستارہ بنکر آسمان پر چمکیگی (دیپے سکتہ سوترا ورق ۵۵ کالم ۱)

سموئیل ۲/۱۰ اور اپنے مسیح کے سینگ کو بلند کریگا - تارگم یہ ہے - اور اپنے مسیح کی بادشاہت کو بڑھائیگا

زبور ۲/۷ تو میرا بیٹا ہے - میں آج کے دن تیرا باپ ہوا - جب مسیح کے آنیکا وقت نزدیک ہوگا تب مبارک خدا اسکو کہے گا - کہ میں اسکے ساتھ ایک نیا عہد باندھونگا اور اسوقت وہ اسکو بیٹا کہیگا "آج کے دن تو مجھ سے پیدا ہوا" یہ جلالی بادشاہت طرف کھلا کھلا اشارہ ہے (مدراش قلیم ورق ۲۷ کالم ۴)

زبور ۲/۱۲ بیٹے کو چوما نہ ہووے کہ بیزار (بیزار) ہووے (بوڈ قیمچی کہتا ہے) کہ بعض اس زبور کو جوج اور ماجوج کی بابت بیان کرتے ہیں - اور مسیح سے مراد مسیح بادشاہ ہے -

زبور ۳۶/۹ ہم تیری روشنی میں شامل ہوکے روشنی دیکھیں گے " اس سے کیا مطلب ہے کسی اور روشنی سے نہیں لیکن مسیح کی بادشاہت کی روشنی یلکوت ۲ ورق ۵۶ کالم ۲

زبور ۵۰/۲ صیحوں سے حسن کے کمال سے خدا جلوہ گر ہوا " چار ظہور ہیں - پہلا مصر میں - زبور ۸۰/۱ دوسرا شریعت دیئے جانے کے وقت - استثنا ۳۳/۲ - تیسرا غربت کے زمانے میں - یسعیاہ ۳۱/۵ چوتھا مسیح کے زمانہ سے کہ صیحوں سے حسن کے کمال سے خدا جلوہ گر ہوا -

زبور ۱۱۰/۱ تو میرے دہنے ہاتھ بیٹھ - آئندہ وقت میں خدا مسیح بادشاہ کو اپنے دہنے ہاتھ بٹھلائیگا کیونکہ کہا گیا ہے - کہ خداوند نے میرے خداوند کو کہا - تو میرے دہنے ہاتھ بیٹھ اور ابرام بائیں ہاتھ بٹھلایا جاویگا اور ابرام کا چہرہ زرد ہو جائیگا اور وہ کہیگا کہ میرے بیٹے کا دہنے اور میں بائیں ہاتھ بیٹھا ہوں - لیکن وہ قدوس مبارک ہووے اسکو یوں تسلی دیگا کہ تیرے بیٹے کا بیٹا میرے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے اور میں تیرے دہنے ہاتھ بیٹھا ہوں (مدارش ۱۸/۳۵ پر)

مذکورہ بالا سطور سے ظاہر ہے - کہ یہودی مسیح کی دو حالتیں بیان کرتے ہیں - اول غربت جیسا کہ یسعیاہ ۵۳ باب میں مفصل مذکور ہے - اور رینگ شن برگ صاحب اپنی کرسٹالوجی میں تحریر کرتے ہیں - کہ یہودی دو مسیح بتلاتے ہیں - ایک ابن یوسف فرقہ افرائیم سے اور یہ مسیح دکھ سہنے والا ہوگا - جیسا کہ یسعیاہ باب ۵۳ وغیرہ میں مفصل مذکور ہے - دوسرا ابن داؤد - یہوداہ کے فرقے سے جو غالب ہوگا - اور سب دینداروں کو دوسری بار زندہ کریگا جیسا کہ شیلو کی خبر پیدائش ۴۹/۱

وغیرہ اور کسدی شرح اور اس کی لائن اور یرد سلم اور جوناتھن کے تارگم میں اسکی یہی تعبیر پائی جاتی ہے۔

آمدم برسر مطلب۔ اور بات بھی ایمان کی یہی ہے۔ کہ واقعی دو مسیح موعود ہیں۔ اور یہود اس معاملہ میں حق پر ہیں۔ اور یہود کے اس خیال سے جہلاء ناواقف ہوں تو ضرور ہونے چاہئیں ورنہ یہ ایسی مشہور روایت ہے۔ جو علماء سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور انہی وجوہات کے باعث یہود نے دانیل اور یسعیاہ کی کتب کی ترتیب کو تبدیل کیا ہے۔

عقل کی رو سے بھی یہی بات حق ثابت ہوتی ہے۔

اہل قرآن کی کلام الرسول سے جہالت

اس زمانہ میں جہاں اور بہت سے فرقے حقیقی مسلمان ہونیکے مدعی ہیں وہاں ایک گروہ نام کا اہل قرآن بھی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ احادیث جو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کی جاتی ہیں یہ محض من گھڑت اور خود ساختہ فقرات ہیں اسلئے انکو درست یقین کرتے ہوئے کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ اس فرقہ کا رسالہ بلاغ القرآن جو گوجرانوالہ سے شائع ہوتا ہے اس کی جلد ۲ نمبر ۱۲ میں بعض احادیث پر محض ناواقفیت کی وجہ سے اعتراض کرکے دوسرے تمام مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بننے کی دعوت دی ہے۔ میں اسوقت وحی متلو اور غیر متلو اور تناقض بین الاحادیث کے مسئلہ کو (جو انہوں نے ضمناً بیان کیا ہے) کسی اور وقت پر چھوڑتے ہوئے صرف ان احادیث کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جو انہوں نے اپنے رسالہ میں درج کی ہیں۔

الحدیث الاوّل ۔ انّ اللہ اذا خلق العبد للجنّۃ استعملہ بعمل اھل الجنۃ حتّٰی یموت علٰے عمل من اعمال اھل الجنۃ فیُدخلہ بہ الجنۃ واذا خلق العبد للنار استعملہ بعمل أھل النار حتّٰی یموت علٰے عمل من اعمال اھل النار فیدخلہ بہ النار (مشکوٰۃ باب القدر)

اعتراض "اس جگہ استعملہ میں ضمیر واحد راجع بسوئے اللہ تعالیٰ ہے (العیاذ باللہ) جبکہ اللہ تعالیٰ ہی دوزخ کے کام مثل خونریزی رہزنی وغیرہ انسان سے کراتا ہے تو ان کاموں کے کرنیوالا

نہایت پرلے درجے کا فرمانبردار خدا ہوا ..... جنّت کے کام کرنیوالا اور دوزخ کے کام کرنیوالا دونو کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بیان کیا ہے دونو کا فرمانبردار ہونا لفظ استعملہ سے ثابت ہے“

جواب ۱ افسوس کہ معترض صاحب اگر قرآن کریم میں غور کر لیتے تو اس حدیث پر جسکا مضمون قرآن کریم کے مطابق ہے اعتراض کرنیکی جرأت نہ کرتے۔ میں صرف اس مفہوم کی (جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے) چند آیات قرآنی پیش کر دیتا ہوں اور فیصلہ جناب اہل قرآن پر ہی چھوڑتا ہوں کہ اگر حدیث پر اعتراض ہے تو قرآن کریم پر بھی بعینہٖ وہی سوال ہے یا نہیں پھر جو معنی آپ ان آیات کے کرینگے وہی ہماری طرف سے اس حدیث کے سمجھ لیجئے۔

(۱) فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا (انعام ع۱۵) جس کو خدا تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اُس کے سینہ کو فرمانبرداری کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔

(۲) اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا۔

(۳) لیس لک ھُداھم ولکنّ اللہ یھدی من یشاء (بقرہ ع۳۷)

(۴) ولا تُطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ (کہف ع۴)

(۵) انا جعلنا علیٰ قلوبھم اکنّۃ ان یفقھوہ وفی اٰذانھم وقرا (کہف ع۸)

اب بقول آپکے یہ تمام گنہگار صرف بے خطا ہی نہیں بلکہ نیک اور فرمانبردار ہیں کیونکہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے ان سے کروایا انہوں نے کیا جیسا کہ ہر ایک آیت میں خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے سے ظاہر ہوتا ہے پس ایسے لوگوں کوئی سزا نہیں ملنی چاہیئے بلکہ اسلئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں انعام و اکرام کے مستحق ہونگے۔

جواب ۲ مندرجہ بالا آیات اور حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے چونکہ انسان کو نیکی اور بدی کرنیکی طاقت دی ہے اس لئے انسان جو بھی نیکی یا بدی کرتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہو سکتی ہے کیونکہ وہی تمام قُویٰ کا عنایت کرنیوالا اور مسبب الاسباب ہے نیز یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے بھی پہلے جانتا تھا کہ فلاں انسان نیک یا بد افعال کریگا اب خدا تعالیٰ اپنے اس علم غیب کی بناء پر جو اس کو ہمیشہ ہمیش سے ہے انسان کو نیکی اور بدی کرنیکا موقعہ دیتا ہے اور جبرًا نیکی کرواتا ہے۔

اب اس لحاظ سے مندرجہ بالا حدیث کے معنی صاف ہیں جو قرآن کریم اور دیگر احادیث کے مطابق

ہیں اب اس پر ایک ناقص العلم انسان اعتراض کرے تو بجا نہیں ہے کیونکہ اس عالم الغیب خدا کا علم اس قدر وسیع ہے کہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا ہے۔

الحدیث الثانی (۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاما النار فلا تمتلی حتی یضع اللہ رجلہ تقول قط قط قط فھنا لک تمتلی۔

(۲) عن انس عن النبی صلعم قال لا تزال جھنم یلقی فیھا وتقول ھل من مزید حتی یضع رب العزۃ فیھا قدمہ فینزوی بعضھا الی بعض فتقول قط قط (مشکوٰۃ باب الجنۃ)

اعتراض "بالفرض اگر یہ بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی دوزخ میں چلا جائیگا تو مولائی لوگ تو وہی کام کرینگے۔ جن سے دوزخ ملے.... کیونکہ روایت مذکورہ بالا نے تو اللہ تعالیٰ کا قیام دوزخ بتایا ہے ..... روایت مذکورہ بالا میں یضع اللہ رجلہ آیا ہے اور رجل کے لئے باقی وجود لازم ہے..... جس سے صاف ثابت ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ دوزخ میں چلا جائیگا..... کیا دوزخیوں کو یہ کہنا نہ پڑیگا کہ اے خداوند ہم تو بوجہ تیری نافرمانی کے اس جگہ داخل ہوئے ہیں مگر آپ کا یہاں آنا کس طرح ہوا؟"

جواب قبل اسکے کہ میں حدیث کا اصل مطلب بیان کروں جناب اہل قرآن صاحب کی توجہ ایک آیت قرآنی کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ھو الذی انزل علیک الکتاب منہ اٰیات محکمات ھن ام الکتاب واُخر متشابھات (آل عمران ع)

کہ بعض آیات متشابہ بھی ہیں جن کی ابرحال تاویل کرنیکی ضرورت پیش آتی ہے۔ امید ہے کہ معترض صاحب کو اسکے تسلیم کرنے میں کلام نہ ہوگی ورنہ بعض مقامات پر انکو سخت مشکل پیش آئیگی۔ اب جس طرح قرآن کریم میں بعض آیات تشابہ والی ہیں اسی طرح بعض احادیث بھی متشابہ ہوں تو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ انکی صحیح تاویل کرنا ضروری ہوگا۔ مذکورہ بالا حدیث بھی چونکہ اپنے اندر تشابہ رکھتی ہے اس لئے ہم اسکے وہی معنی کرینگے جو قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مطابق ہوں اور وہ پانچ ہوسکتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

اوّل:۔ خدا تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے حتی کہ ارشاد باری ہے:۔ نحن اقرب الیکم من حبل الورید

اب جب انسان پیشاب پاخانہ جاتا ہے تو بھی وہ اقرب من حبل الورید ہی ہوتا ہے کیونکہ کسی حالت میں نفی نہیں کی گئی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک جگہ خواہ وہ کیسی ہی ہو موجود ہے تو کیا حرج ہے اس بات کو تسلیم کرنے میں کہ وہ دوزخ میں بھی موجود ہوگا۔ آپکا یہ کہنا کہ مولائی لوگ تو پھر دوزخ میں رہنا پسند کرینگے بالکل عدم تدبر کا نتیجہ ہے کیا انبیاء

علیہم السلام جب اپنے وطن سے ہجرت کرتے تھے تو وہاں خدا تعالیٰ موجود نہ ہوتا تھا؟ اللہ تعالیٰ تو وہاں بھی موجود تھا لیکن ساتھ ہی وہاں رہنے سے تکلیف بھی ہوتی تھی۔ اس لئے وہ ایسے علاقوں میں جاتے جہاں وہ آرام سے زندگی بسر کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کے فیضان کو حاصل کر سکتے تھے۔ پس یہی حال مولائی لوگوں کا ہوگا۔ ہاں! اہل قرآن صاحب اپنے آپکے متعلق آپ خود بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

دوم:۔ رِجل بمعنی جماعت لیا جاوے اور قدم بمعنی ما قدّم لہ تو معنی یہ ہونگے کہ دوزخ بھرپور نہ ہوگا جب تک خدا تعالیٰ اس میں اپنی مخلوق سے جماعتیں یا جو اس کے لئے پہلے سے تیار کیا گیا ہے نہ ڈالدے (رِجل اور قدم کے یہ معنی لغت سے ثابت ہیں)

سوم:۔ خدا تعالیٰ دوزخ کو زجر کرنے اور ڈانٹنے کے لئے اپنا پاؤں رکھیگا کہ اتنی مخلوق تجھ میں ڈالی گئی ہے پھر بھی تو ھل من مزید پکار رہا ہے۔ اس پر دوزخ کہیگا کہ ہاں مجھے کافی ہے کافی ہے۔

چہارم:۔ ربّ العزّۃ اور جبّار کے معنی متکبّر انسان ہے کہ جب تک متکبّر لوگ دوزخ میں نہ ڈالے جاوینگے وہ کفائیت نہ کریگا۔ ہاں راوی ربّ العزّۃ وغیرہ سے خدا تعالیٰ سمجھ کر روایت بالمعنی میں یضع اللہ کے الفاظ لے آیا ہے جس سے صرف راوی کے عدم فہم پر دلالت ہو سکتی ہے وبس۔

پنجم:۔ خدا تعالیٰ کی ذات بے مثل ہے اسلئے جہاں اس کے کسی عضو کا ذکر ہو وہاں بھی انسانی ہاتھ پاؤں کی مثل نہیں ہوتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ اب ظاہری طور پر تو ان کے ہاتھوں پر خدا تعالیٰ کا کوئی مجسّم ہاتھ نہ تھا۔ پس اسی طرح اس کا پاؤں بھی بے مثل اور غیر مجسّم ہے اور دوزخ میں رکھنے سے مراد ظاہری طور پر رکھنا نہیں ہے فاندفع الاعتراض۔

اِعجَازُ القُرآن

نمبر ۱

قرآن مجید جہاں دیگر سماوی صحیفوں سے اپنی اس یگانہ طرز بیان میں ممتاز ہے کہ وہ اپنے ہر دعویٰ کو غیر متبدل عقلی اور فطری دلائل سے مبرہن کرکے پیش کرتا ہے وہاں وہ اپنے اس منفرد دعویٰ میں بھی "کہ جن و بشر کا نہ انفرادی زور علم اور نہ اجتماعی قوت بیان اسکی مثل لا سکتی ہے" ان صحف سابقہ سے ممتاز ہے۔ غور کیا جائے تو حضرت محمد عربی (صلعم) فداہ ابی و امّی کی صداقت اور قرآن مجید کی حقانیت کیلئے اسکا یہ دعویٰ ہی ایک معجزانہ دلیل ہے۔ قرآن پاک کا یہ اعجازی رنگ حضور پرنور کا ایک ایسا معجزہ ہے جو حضور صلعم کے منجانب اللہ ہونے پر مہر صداقت ثبت کرنے کے علاوہ غرض نبوّت کی تکمیل بھی کرتا ہے یعنی یہ معجزہ نشانی بھی ہے اور پھر بالذات ہدایت انسانی سے متعلق ہونیکی وجہ سے معجزات گذشتہ کی نسبت نتیجہ خیز اور زیادہ مفید بھی ہے۔ حضرت نوح ؑ کی کشتی کے واقعہ کو انکی صداقت کی دلیل ہونیکے واسطے سے گو ہدایت سے تعلق تھا مگر فی نفسہٖ اسکو ہدایت سے کوئی تعلّق نہیں اسی طرح حضرت ابراہیم ؑ کے آگ میں ڈالے جانے کو بلا واسطہ ہدایت سے کوئی نسبت نہیں اگو ان کی صداقت کی دلیل بنکر ہدایت سے ایک گونہ نسبت اسکو حاصل تھی پھر اسی طرح حضرت موسیٰ ؑ کے عصا اور ید بیضا میں بنی اسرائیل کے لئے ضروریات ہدایت ہرگز نہیں تھے ہاں انکے دعویٰ نبوّت کی دلیل ہونیکی جہت سے انکو ہدایت سے ضرور رشتہ تھا۔ لیکن قرآنی اعجاز کو جہاں صداقت سید المرسلین بنکر بالواسطہ ہدایت میں دخل حاصل ہے وہاں خود صحیفہ ہدایت ہونیکی وجہ سے بالذات اور بلا واسطہ ہدایت اور عین ہدایت بھی ہے۔ گویا روشنی اور بدرقہ دونوں کی صفت ایک ذات میں متحد ہے۔

قرآن کے معجز بیان ہونیکا دعویٰ اگرچہ فی حد ذاتہ ایک دعوائے محض ہے لیکن ساتھ ہی اپنے صدق کی ایک اٹل دلیل بھی ہے۔ قرآن دعویٰ کرتا ہے کہ تنزیل من رب العٰلمین یعنی وہ پروردگار کا کلام اور اسکی طرف سے نازل شدہ وحی ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ وہ اسکا معجز بیان ہونا ہے۔ کیونکہ انسان کے کلام میں یہ اعجازی حیثیت چھوڑ اسکا تصور بھی ممکن نہیں پھر یہ کہنا کہ وہ معجز اور بے نظیر ہے بطور خود ایک دعویٰ ہے اسکی دلیل تحریری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتی بلکہ مشاہدہ اسکی شہادت ہے تیرہ صدیوں کا یہی مشاہدہ ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں ایک اور ایک دو کی طرح صادق ہے۔ حالانکہ اس مدّت کی طرفین میں سے ایک طرف عربی لغت کی شستہ گویائی۔ رنگین بیانی۔ قادر الکلامی۔ نادر الخطابی۔ چاشنیٔ فصاحت۔ شیرینیٔ بلاغت وغیرہ محاسن کلام میں اپنی آپ نظیر۔

اور دوسری طرف نئے علوم کے انکشافات۔ پرانے علوم کی مزید موشگافی۔ اصول تحقیق کی یگانگت قواعد
تقریظ کی خوش اسلوبی طبائع کی جدت۔ عقول کی جودت وغیرہ امور میں بے مثال ہے۔ پس یقیناً
قرآن مجید اپنے اس دعویٰ میں صادق ہے کہ وہ بے مثیل ہے۔ اور پھر اس پیش خبری میں بھی صادق
ہے۔ کہ تاقیامت اسکی نظیر کا منکرین سے بن پڑنا ممکن نہیں۔ اٰمنّا وصدّقنا +

قرآن مجید کی بے ہمتائی اور اعجاز بیانی اہل اسلام میں سے ہر فرقہ کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے۔
احمدی ہو کہ غیر احمدی۔ سنی ہو کہ شیعہ۔ اہل حدیث ہو کہ اہل قرآن خارجی ہو کہ رافضی۔ اشعری ہو کہ ماتریدی۔
قدری ہو کہ جبری۔ معتزلی ہو کہ جہمی۔ باطنی ہو کہ ظاہری کسی کو بھی اسکی بے نظیری میں کلام نہیں اور نہ
ہی کسی کو اسکے بشری طاقت کی غایت تحصیل سے ارفع ہونے میں تردد ہے۔ یہی نہیں بلکہ مستشرقین
میں سے وہ محققین بھی اس امر میں اہل اسلام کے ہمنوا ہیں جن کے ضمائر انتہائی تعصب کے غبر سے
ممزوج نہیں اور جنکے قلوب بوئے انصاف سے بکلّی محروم نہیں۔ لیکن اس امر میں کہ اسکی بے نظیری کس
حیثیت سے ہے۔ خود مسلمانوں میں بہت کچھ اختلاف آرائیاں اور گفت و شنید ہوئی ہیں۔ کسی نے تو بے نظیری
کا مدار پیشگوئیوں کو قرار دیکر یہ کہدیا ہے کہ چونکہ قرآن میں بڑی عظیم الشان پیشخبریاں موجود ہیں اس لئے اسکی
مماثلت تک بشری علوم کو رسائی ممکن نہیں۔ کسی نے نبی کریم صلعم کی ذات مستودہ صفات کو اعجاز کی
جز تصور کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ایک اُمّی سے ایسی کتاب کا ظہور وہم سے بھی بالا ہے۔ اور الٰہی تائید کو بے ہمتائی
کا اصل موجب گردانتے کی بنا پر کسی کی یہ رائے ٹھیری کہ، قرآن کی ہمپایہ کتاب کا وجود تو ممکن ہے مگر غیرت
الٰہی کسی کو بھی اس سعی نافرجام کی توفیق ہی نہیں بخشتی تا یہ نشان اشتباہ سے مبرّا رہے، اگر کوئی شخص
ایسی کوشش کے لئے تہیہ کرے بھی تو الٰہی موانع کے سامنے سر عجز خم کر کے بالآخر اسکو ناکامی کا اقرار کرنا پڑیگا،
لیکن اشاعرہ نے اسکے ظاہری جمال تک اپنے تحقیقی دائرہ کو محدود کرتے ہوئے اسکی فصاحت و بلاغت
کو اسکی بے نظیری کا واحد معیار خیال کیا اور ساتھ ہی کل فرق اسلامیہ نے انکی اس تحقیق کے آگے
سر تسلیم خم کر کے متفقہ طور پر انکی ہم آہنگی کا اقرار کیا۔

اس امر کو تسلیم کرتے ہوئے کہ زور تحریر اور رابغ کی انشاء پردازی کا شمار بھی خدائی کارناموں میں ہو سکتا
ہے، میں کہتا ہوں کہ قرآنی بے نظیری پر تحقیقی نظر ڈالتے وقت اور وجوہ اعجاز کی رازکشائی کے لئے سمند
فکر کو جولانی دیتے وقت بجائے اشاعرہ یا معتزلین کی تحقیق اور ڈسکوری پر اکتفا کرنے کے کوئی شخص اگر
خود قرآن ہی سے اس باب میں استفسار کرتا، تو حقیقی بے نظیری کے وجوہ احسن اور صحیح طور پر معلوم
کرنا آسان تر ہوتا، اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید سے استدلال و استنباط کرنے کے تین طریقے خیال ناقص

میں آتے ہیں۔ (۱) ان آیات کا بنظر امعان مطالعہ کرنا جن میں یہ دعوئی اعجاز موجود ہے، کہ کس پہلو سے بے نظیری کا اقرار اور مماثلت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ (۲) قرآن کے مدحیہ اوصاف کی تحقیق کرنی، کہ وہ اپنے یگانہ صفات اور ممتاز محامد میں کن کن امور کا ذکر کرتا ہے کیونکہ قرین قیاس بلکہ ضروری عند العقل یہی ہے کہ اس کا بے نظیر ہونا انہیں صفات حمیدہ سے متصف ہونیکی وجہ سے ہو۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اپنی خوبی اور کمال وہ کسی اور شئے کو بتائے اور جس چیز پر اعجاز کی بنیاد ہے اسکو سر سے پردۂ خفا میں رہنے دے (۳) قرآن کے تفصیلی مباحث پر بالاستیعاب ایک اجمالی نظر ڈالکر جانچا جائے کہ اسکی تعلیم کے لبّ لباب سے اعجاز کے کیا کیا پہلو ظاہر ہوتے ہیں۔ میں اپنی بساط اور واقفیت کے مطابق ان تینوں طریقوں پر اختصاراً اس امید کے ساتھ اظہار رائے کرتا ہوں کہ یہ مضمون اہل علم بزرگوں کے قلموں کو مزید تحقیق و توضیح کے لئے جنبش دینے کا ذریعہ ہو جائیگا۔ اور الدال علی الخیر کفاعلہ کی بنا پر میں بھی ثواب میں شریک ہو جاؤں گا۔

(۱) پہلی آیت جس میں قرآن مجید نے اپنی بے نظیری کا دعوی کیا ہے سورۂ بقرہ ع۳ کی ہے جو یوں ہے:۔ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم من دون الله ان كنتم صادقين، اس آیت میں بے نظیری کی عمومیت پر تین طور سے استدلال کیا گیا ہے اوّل لفظ مثل سے، کیونکہ مثل کے لفظ میں کسی قسم کی تعیین نہیں کہ کس پہلو میں مماثلت ہونی چاہیئے بلکہ اسکا درود جیز عموم میں ہو کر اس امر کا شاہد ناطق بنا ہوا ہے کہ مثل لانیکے چیلنج میں آئی مثلاً بلاغت یا ازیں قسم کسی اور خاص امر کے ساتھ مربوط نہیں بلکہ ہر وہ امر جو ایک کامل اور مکمل آسمانی صحیفہ کی حمیدہ صفات میں شمار کیا جا سکتا ہو مثل کے تحت میں داخل ہے۔ پس مدّ مقابل سے اسی قسم کا صحیفہ مطلوب ہے جو ہمہ اوصاف عالیہ میں قرآن سے برابری کا درجہ رکھے۔ دوم لفظ کنتم سے، جس میں جمع مخاطب کی ضمیر ہے، اس سے ہر وہ فرد و بشر مراد ہے جو قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں شک کرکے اسکی بطالت کا حامی ہے نہ صرف اہل عرب کیونکہ قرآن کا خطاب صرف عربوں میں سے نہیں بلکہ اہل ربع مسکون سے ہے (گو اوّل مخاطب عرب ہیں) جیسا کہ، یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعا، سے عیاں ہے۔ اور جسکی مزید وضاحت کیلئے زیر بحث آیت سے پہلے بھی الناس کا لفظ لا کر یایها الناس اعبدوا ربكم الذی خلقکم فرمایا ہے، اور پھر توضیح تام کے لئے خلق لکم الارض فراشا والسماء بناء فرمایا ہے کیونکہ زمین کا فرش بننا اور آسمان کا چھت کی قائمقامی کرنا صرف عربوں کے لئے نہیں بلکہ ہر آدم زاد کے لئے ہے، پس جب اس آیت کے مخاطب محض کفار عرب نہیں بلکہ کل اقوام عالم ہیں، تو نظیر

پیش کرنے کے مطالبہ میں مماثلت کو واحد فصاحت و بلاغت میں محدود کرنا درست نہیں ٹھیرتا۔ کیونکہ اہل عرب کو اپنی قادر الکلامی فصاحت بلاغت کا دعویٰ اور اپنی زبان کی وسعت خوش اسلوبی سلاست اور باریک سے باریک معانی پر محیط ہونیکا گھمنڈ اگرچہ ضرور تھا لیکن دیگر دور افتادہ ممالک کے باشندوں کو اپنی لغت کے متعلق اس قسم کا ناز نہ تھا بنا بریں ان سے فقط بلاغت و فصاحت ہی میں مثل پیش کرنے کی طلب درست نہیں والا معاملہ بیجا ہے۔ سوم لفظ شہداء کہ سے ہے، کیونکہ لغت میں شہید کے معنی - حاضر - گواہ - مددگار - پیشوا کے ہیں - اور ان چاروں معنوں میں نصرت کا مفہوم بالتدریج موجود ہے، حاضر بھی اپنے ہم عقیدہ کا عند الضرورت ممد ہوتا ہے اور گواہی میں اس سے بھی زیادہ امداد ہوتی ہے، مددگار میں اس سے بھی بڑھکر مدد کا وجود ہے اور امام تو مددگار ہونیکے علاوہ حیثیتاً بھی بلند ہوتا ہے، پس جب کل اہل عالم شہداء میں شامل ہوکر نظیر لانیکی کوشش کرنے والوں کے ناصر و معین بنے تو ہر قوم سے یا ہر فرد سے بلاغت و فصاحت کی استمداد متوقع نہیں ہوسکتی وہ تو اسی امر میں مدد کرینگے جو انکی مسلمہ الہامی کتاب کی خوبی ہے یا ایک الہامی کتاب کی خوبی ہو یا ایک الہامی کتاب میں اس خوبی کا ہونا انکے نزدیک ضروری ہے۔ غرض اعجاز کا مدار صرف بلاغت و ادبی محاسن کو گرداننا مذاق آیت کے برعکس ہے۔

(۲) دوسرا مقام جہاں یہ اعجازی دعویٰ مذکور ہے سورۃ یونس ؑ کی یہ آیت ہے:- ام یقولون افترٰنہ قل فأتوا بسورۃ مثلہ وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین

اس آیت میں بھی پہلی آیت کی طرح کسی قسم کی تحدید نہیں مماثلت خاص فلاں امر میں محصور ہے، بلکہ اسی طرح لفظ مثل ہے اور من استطعتم میں عمومی وسعت ہے، ہاں مماثلت کے لئے اگر کوئی خاص امر اس آیت سے ثابت ہوتا ہے تو وہ قرآن کا ہادی الی الحق ہونا ہے، کیونکہ اس آیت کے ماقبل جو آیات ہیں ان میں یہی صفت مذکور ہے چنانچہ فرمایا قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق قل اللہ یھدی للحق افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ان اللہ علیم بما یفعلون (یعنی کیا تمھارے معبودان باطلہ میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے (نہیں بلکہ) کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ کیا حق کی طرف راہنمائی کرنیوالی ذات قابل اتباع ہے یا وہ ہستی جو حق کی طرف راہنمائی نہیں کرسکتی مگر خود اسکو پکڑکر رستہ دکھایا جائے۔ تم لوگ کیسی بہکی ہوئی باتیں کرتے ہو ان لوگوں میں سے اکثر تو محض ظن کی پیروی

کرتے ہیں حق کے مقابلہ میں بھلا ظن کیا فائدہ دے سکتا۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں وہ اٹل اور مستقل صداقتیں اور وہ غیر متزلزل اور منفعۃ عظیمہ پر مشتمل قوانین موجود ہیں جنکو زمانہ کی گردش اور نسل آدم کی دماغی اور علمی ترقی ناقص نہیں ثابت کر سکتی اور نہ تمدن و سیاست کا انقلاب اور امن و اتحاد کا اطمینان اور فساد و بدامنی کا خوف غیر مفید یا غیر ضروری ثابت کر سکتے ہیں اور نہ سائنس کی حیرت انگیز انکشافات اور موشگافیاں جنبش دے سکتی ہیں، اور پھر ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے مقابل جو چیز غیروں کے پاس ہے وہ محض ظن ہے جس میں تغیر زمانہ کے مطابق تبدیلیاں اور کتر و بیونت کرنا پڑتا ہے، ورنہ ثابت الاصل اور غیر متزلزل ہو کر حق کہلانے کے قابل صداقتیں انکے پاس موجود نہیں، غرض ماقبل و مابعد کے ربط اور طرز بیان پر غور کرتے ہوئے نظیر پیش کرنے کے مطالبہ میں اگر ہم مماثلت کو کسی چیز میں محصور پاتے ہیں تو وہ محض اسکا ہادی الحق ہوتا ہے اس سے زیادہ کوئی اور قید اس مقام سے کم از کم نہیں ثابت ہوتی۔ اور اسی وجہ سے دوسری جگہ قرآن کے متعلق وانہ لحق الیقین بھی وارد ہوا ہے۔ یہاں پر شک کیا جا سکتا ہے کہ ہادی الحق کی صفت کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے نہ قرآن مجید کی طرف۔ پھر ثابت الاصل اور غیر متزلزل صداقتوں کا رہنما قرآن کو کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے سو یاد رہے کہ اول تو خدا کا ہدایت الی الحق دینا قرآن ہی کے ذریعہ سے ہے نہ کسی اور طریقہ سے اسی وجہ سے ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً فرمایا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظن کے مقابلہ میں جو حق ہے وہ خود قرآن مجید ہے۔ دوم دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صفت میں فرمایا ہے۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (بنی اسرائیل ع) یعنی یہ قرآن ان باتوں کی طرف ہدایت دیتا ہے جو بہت قوی اور ثابت الاصل ہیں۔ اسکے برخلاف فصاحت و بلاغت کی صفت کا ذکر، وہ تو ان آیات میں موجود نہیں اور نہ ہی کسی تاویل سے ایسا استنباط اس مقام سے ہو سکتا ہے، پس بے نظیری کا دعویٰ اس مقام میں بھی خاص ہے یا زیادہ سے زیادہ ہدایت للحق کی صفت میں محدود ہے۔

(۳) تیسری جگہ جہاں قرآن مجید نے عدیم المثال ہونیکا دعویٰ کیا ہے سورہ ہود ع ہے۔ فرماتا ہے:۔ ام یقولون افتراہ قل فأتوا بعشر سور مثلہ مفتریات وادعوا من استطعتم من دون اللہ ان کنتم صادقین۔ فان لم یستجیبوا لکم فاعلموا انما انزل بعلم اللہ وان لا الٰہ الا ھو فھل انتم مسلمون۔ صاف ظاہر ہے کہ ان آیات میں بھی کسی طرح کی تخصیص نہیں کی

مماثلت اِس مخصوص امر میں ہی محصور ہو، بلکہ پہلے مقاموں کی طرح تمام قیود عمومیت مماثل کی طرف دال ہیں ہاں اُس اخراجِ نتیجہ سے جو منکرین کے نظیر پیش کرنے سے عاجزی اور درماندگی کی تسلیم کی بنا پر خداوند کریم نے یہاں پر کیا ہے، ایک چیز کا اختصاص سمجھا جا سکتا ہے اور وہ اس کتاب میں ایسے امور کا ہونا ہے جو محض علم الٰہی کا نتیجہ قرار دیئے جا سکتے ہیں، کیونکہ یہاں پر یہ کہا گیا ہے، کہ اگر منکرین اس چیلنج کا جواب نہ دیں تو یقیناً جانو کہ یہ قرآن خدائی علم سے اُتارا گیا ہے اور یہ کہ سزاوارِ عبادت صرف خدا کی ذات ہی ہے"۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ قرآن مجید میں وہ باتیں بیان ہوئی ہیں جو انسانی شعور سے بالا اور بشری رسائی سے بعید ہیں اور جو محض اللہ تعالیٰ کے بتانے سے انسان کو معلوم ہو سکتی ہیں پھر اسی طرح وحدانیت خالق پر وہ براہین اسمیں درج ہیں جنکی تحصیل محض انسانی عقل کے غور و خوض سے نہیں ہو سکتی۔ اور یہ امر تو بدیہی ہے کہ ایسے امور میں فصاحت و بلاغت سے کہیں بڑھکر پیشگوئیوں کو اور ہر زمانہ و ہر ملک میں قابل عمل احکام اور ہر صورت میں ضروری الاخر از نواہی کو زیادہ دخل ہے۔

(۴) چوتھی آیت جس میں نظیر پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، یہ ہے قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (بنی اسرائیل ع) یہ آیت بھی سابقہ آیات کی طرح ایسی شروط سے خالی ہے جو مماثلت کی عمومیت میں مانع ہو کر فصاحت و بلاغت کی تعیینِ مداریت کے لئے منشاء استدلال بنجائیں۔ لیکن ایک صفت کا مماثلت کیلئے ملحوظ ہونا اس مقام کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے جو اس رکوع کی ابتدا میں یوں موجود ہے، یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا، یعنی رسول اللہ صلعم سے لوگ وحی الٰہی کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ اسکی ماہیت کیا ہے اسکے وجود پر کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے ان سے کہدیا گیا کہ اسکی کنہ اور حقیقت تک تو تمہاری رسائی آسان نہیں ہاں اسکے حقیقی وجود اور صدق پر شہادات ضرور ہیں سب سے پہلی شہادت تو یہی ہے کہ اس کلام کے مقابلہ میں تمہارا علم و فہم بالکل ہیچ ہے۔ اور وحی الٰہی بتلاتے ہوئے خدا کا رسول جو کچھ بھی سناتا ہے تمہاری ہمہ دانیاں اس سے خاک نسبت بھی نہیں رکھتیں، پس مماثلت کا مقام عمومیت پر ہونیکے باوجود قرآن کا کوئی ایسا وصفِ مخصوص جس سے مثیل قرآن کا متصف ہونا ضروری ہے، اگر بیان ہوا ہے تو وہ اسکا ان علوم پر محیط ہونا ہے جنکے مقابلہ میں بشری علوم ہیچ اور قلیل کے مقام پر جا ٹھیرتے ہیں۔

(۵) پانچواں مقام جہاں مثل قرآن پیش کرنیکا کھلا چیلنج موجود ہے سورہ قصص ع کی یہ آیت ہے قل فأتوا بکتب ھو اھدی منھما اتبعہ ان کنتم صادقین. بے شک اس جگہ یہ کھلا

چیلنج مقامات گذشتہ کی طرح قیود و حصر سے خالی اور مطلق نہیں، بلکہ مثل کے لئے ایک خاص صفت یعنی ہدایت میں اپنی مماثلت کا ثبوت دینا ضروری شرط قرار دیا گیا ہے۔ یعنی مخالفین قرآن کے بالمقابل کوئی ایسی کتاب بنالائیں جو ہدایت دہی اور غرض پیدائش کی تحصیل میں اسکی نظیر ہو۔ گویا اس مقام میں قرآن کو صفت ہدایت میں عدیم المثال ٹھیرا کر ان سے کہدیا گیا ہے کہ ایسی کتاب کا بنانا جو خلق خدا کو اپنے خالق تک لیجانے میں اسکی برابری کرے کسی بشر سے ممکن نہیں۔

یاد رہے کہ کسی محقق کا اپنے دائرۂ تحقیق کو محض اسی مقام پر محدود کرتے ہوئے یہ گمان کرلینا کہ قرآن کی بے نظیری فقط ہدایت کی حیثیت میں محصور ہے اور کسی دیگر جہت سے بے نظیر ہونیکا اسے دعویٰ نہیں، کئی وجوہ سے صحیح نہیں، اوّل اس لئے کہ سوائے اسکے باقی تمام مقامات میں اس دعویٰ کو قیود سے خالی اور مطلق رکھا ہے۔ دوم جیسا کہ میں آگے چلکر بیان کرونگا وہ اوصاف حمیدہ جن سے متصف ہونیکا قرآن بلند آہنگی سے بیان کرتا ہے صرف اسکا ہادی ہونا نہیں ہے۔ سوم اس مقام میں خاص ان لوگوں کی توبیخ اور اتمام حجت مقصود ہے جنہوں نے صداقت کے مقابلہ میں یہ کہا تھا کہ لولا اوتی مثل ما اوتی موسیٰ، یعنی اس نبی کو اگر یہ صادق ہے ویسے نشانات جو موسیٰ کو دیئے گئے تھے، کیوں نہیں دیئے گئے، اسکا ایک تو یہ جواب دیا کہ، اَوَلم یکفروا بما اوتی موسیٰ من قبل قالوا سحران تظاھرا وقالوا انا بکل کافرون، یعنی کیا ان لوگوں نے باوجود نشانات کے موسیٰ کا انکار پہلے نہیں کیا تھا اور نہ کہا تھا کہ یہ دونو تو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ہم تو کسی کو بھی نہیں مانتے، دوسرا جواب یہ دیا کہ مانا کہ تم لوگوں نے بوجہ نشانیوں کے موسیٰؑ کو صادق جانا تھا اور انکار نہیں کیا تھا، تو چلو اسی معیار پر حضرت نبی کریمؐ کی بھی صداقت کو پرکھلو، موسیٰؑ کے صادق ہوکر مبعوث ہونیکی غرض بنی اسرائیل کی ہدایت تھی اور ہدایت نامہ تورات تھا۔ پس بوجہ منجانب اللہ ہونیکے جو ہدایت اس کتاب سے ممکن تھی، انسانی تلقین و مواعظ اپنے اثرات میں اس سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، ہو نہیں سکتا کہ عقول انسانی اپنی کاہش و کاوش کے نتیجہ میں الٰہی علم کی برابری کرسکیں اور ذہن بشری اپنی عرق ریزی اور کوشش کے اثر میں قادر مطلق کے آیات کی ہمسری کرسکے، اس لئے قرآن مجید ہدایت دینے میں اگر وہ غیر معمولی طاقت اور طلسمانی کرشمہ اور کہربائی اثر اپنے اندر رکھتا ہے جو انسانی غور و خوض کا نتیجہ یا اسکی تلقین و تدریس کا ثمرہ نہیں ہوسکتا تو لامحالہ ماننا پڑیگا کہ اس ہدایت نامہ کا عنایت کرنے والا بھی کوئی بے نظیر ذات ہے، خلاصہ یہ کہ ان پانچوں مقاموں میں جہاں یہ دعویٰ اعجاز بیان ہوا ہے ایک مقام سے صراحتہً از روئے ہدایت اسکا بے مثل ہونا، اور ایک مقام سے قرآن

کی بنا پر اسکا ان علوم پر مشتمل ہونیکی وجہ سے جو انسانی قوتٰی کی رسائی سے بالا ہیں بے مثل ہونا، اور ایک مقام سے اسکا پیشں خبریوں پر اور معارف روحانیہ پر محیط ہونیکی وجہ سے بے مثل ہونا، اور ایک مقام کے سیاق و سباق سے اسکا صداقتوں اور غیر متزلزل قوانین پر حاوی ہونیکی وجہ سے بے مثل ہونا مستنبط ہوتا ہے،

(۶) چھٹا مقام جہاں یہ دعویٰ اعجاز موجود ہے سورۂ طور ہے جہاں فرمایا " فلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانوا صادقین "، اس میں بھی مثل کو مطلق رکھا ہے اور کسی ایک خاص خوبی کی تحدید نہیں کی ہاں پہلی آیتوں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسمیں وہ باتیں ہیں جو صرف علم الٰہی کی بنا پر کہی جا سکتی ہیں تحقیقِ اعجاز کے دوسرے معیار کی توضیح سے پیشتر میں دو تین ضمنی سوالوں کا بالاختصار جواب دینا بھی مناسب خیال کرتا ہوں - اوّلاً سوال ہو سکتا ہے کہ سورہ قصص کی آیت میں جب، ھُوَ اَھْدٰی مِنْھُمَا فرمایا ہے تو معلوم ہوا کہ قرآن کی طرح تورات بھی ہدایت دینے میں بے نظیر ہے حالانکہ خود قرآن کے نزدیک اسکا محرّف اور ناقابل عمل ہونا مسلّم ہے جیسا کہ اُسکی دیگر آیات کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے، سو اسکے جواب میں یاد رہے کہ تورات بھی میرے نزدیک بے شک اپنے زمانہ میں بے نظیر تھی کیونکہ جس طرح خدا کا فعل بے نظیر ہوتا ہے ضروری ہے کہ اسکا کلام بھی اسی طرح بے نظیر ہو، ہاں اس زمانہ میں یا قرآن کے مقابلہ میں اسکی بے نظیری قطعاً قابل تسلیم نہیں، کیونکہ اوّل تو وہ کتاب ہی اپنی اصلی صورت میں باقی نہیں دوم بصورت فرض اگر اسکے حقیقی وجود کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی قرآن کی وسیع خوبیوں سے وہ لگا نہیں کھا سکتی اور نہ قرآنی جامعیت اور اکملیت سے اسکو کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔ ثانیاً جس طرح قرآن نے منجانب اللہ ہونیکی صورت میں خدا کا مخالفین اسلام کی مثلِ قرآن پیش کرنے کے لئے نُصرت و تائید کرنا اسکے تقدس اور نزہت کا منافی ہے اسی طرح اُن لوگوں کا اُس ذی الجبروت سے اس باب میں مدد حاصل کرنا بھی محال بلکہ قوت واہمہ سے بھی دُور ہے، تو پھر خداوند کریم نے بار بار من دون اللہ کی قید کیوں لگائی ؟ جو ظاہر احشو و قبیح معلوم ہوتا ہے، اسکا جواب بھی یہی ہے کہ یہ حشو نہیں بلکہ مفید اور نتیجہ خیز قید ہے، اوّل وہ کہتے تھے کہ ہم بغیر کسی آسمانی مدد کے ایسا کلام بنا سکتے ہیں اسلئے کہ یہ بھی کوئی آسمانی صحیفہ نہیں ہے، لہذا انکے جواب میں انہیں کے مسلمات پر مواخذہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ اچھا پھر خدا کے سوا اور کسی مدد کے ذریعہ سے اسکی نظیر پیش کرو جو تمہارے اختیار میں ہے، دوم اس امر میں بشری قویٰ کے بکلی قاصر ہونیکی دائمی یاس اور قیامت تک مخالفین سے اسکی نظیر نہ بن پڑنے کی ابدی ناکامی کے اظہار کے لئے مِنْ دُوْنِ اللہ فرمایا ہے جو انکی

قلوب میں انکی کا اثر کرتا ہے کیونکہ من دون اللہ کے پردہ میں ان سے کہا گیا ہے کہ اس کتاب کی نظیر کسی اور سے تو ممکن نہیں ہے ہاں ایک ہستی سے ممکن ہے یعنی خدائے قادر مطلق سے مگر وہ مدد کرنے کی بجائے اس معاملہ میں ناکام کوشش کرنے والوں کو تباہ کردیتا ہے۔ پس جو مقام انکی مدد اور امید کا واحد منبع ثابت ہوسکتا ہے وہی انکی ہلاکت کا موجب ہے۔ سوم من دون اللہ کہنے کی غرض خدائی جبروت کی عزت اور اسکی کبریائی کا حسن ادب ملحوظ رکھنا ہے، کیونکہ، من استطعتم اور شھداءکم میں بظاہر کوئی استثنا نہیں بلکہ خدائے جبار کے خالق کل ہونیکی وجہ سے مددگار منکر بن ہونیکا بھی امکان وسعت ہے، اس وجہ سے من دون اللہ فرماکر اسکی عظمت کو قائم کیا اور اسکی غیرت اور استغنا سے ہمیشہ خائف رہنے کی تعلیم دی۔ ایسی مثالیں جن میں محض اس غرض کے لئے استثنا لایا گیا ہے قرآن مجید کے اور مقاموں میں بھی موجود ہیں، مثلاً وما یکون لنا ان نعود فیھا الا ان یشاء اللہ ربنا (الاعراف ع) یہاں پر حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں، کہ ہم کفر و ضلالت کی طرف کیونکر لوٹ سکتے ہیں ہاں مگر ہمارا پیدا کرنیوالا خدا چاہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالی ہرگز ایک نبی کے متعلق تو کیا ایک ادنی درجہ کے انسان کے متعلق بھی نہیں چاہتا کہ وہ اپنے سچے دین کو چھوڑ کر دوبارہ سابقہ عقاید مشرکانہ کی طرف رجوع کرے تو حضرت شعیبؑ کے متعلق جو اسکا صادق پیغمبر تھا کب چاہنے والا تھا کہ وہ پھر ضلالت کا دم بھرے۔ اور پھر اسی جگہ انکا یہ قول بھی مذکور ہے کہ، اگر ہم خدا کی ہدایت چھوڑ کر تمھارے مذہب کو قبول کریں تو گویا ہم نے خدائے قدوس پر افترا کیا ہے، بھلا خدا ایک نبی سے اپنی پاک ذات پر افترا کرانا کبھی گوارا فرمائیگا؟ حاشا و کلا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ استثنا بھی من دون اللہ کی طرح محض عظمت الٰہی کی پاسداری کے لئے ہے، ایک دوسری جگہ فرمایا لا اخاف ما تشرکون بہ الا ان یشاء ربی شیئا (الانعام ع) یہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام دشمنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ، میں تمھاری باطل معبودوں سے ہراساں نہیں ہوں ہاں لیکن میرا پروردگار کا منشاء ہو تو اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ خدا جو ازل سے شرک کے خلاف تعلیم نازل فرماتا رہا ہے اور اسکے بطلان کی ایک یہ دلیل بھی سکھاتا رہا ہے کہ ان سے منفعت کی امید اور مضرت کا خوف دونو نہیں ہیں، اسکا کبھی یہ منشاء ہو جائے کہ ایک اولوالعزم نبی اُن بے جان اور بیچارے معبودوں سے ترساں ہو، اور حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بھی نہیں خیال کیا جا سکتا کہ انکے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی ان بتوں کا خوف جاگیر ہوسکتا ہے، اولاً مقام نبوت کی حیثیت ہی ایسے خیال سے ارفع ہے ثانیاً خود انکی تعلیم اسکے خلاف قرآن مجید میں وارد ہے جیسے انھوں نے فرمایا افتعبدون من دون اللہ

مالا ینفعکم شیئًا ولا یضرکم (الانبیاء ع ۵) پھر فرمایا، وتاللہ لاکیدنّ اصنامکم بعد ان تولّوا مدبرین، (الانبیاء ع ۵) بلکہ اسی جگہ سورہ انعام میں اس استثنائی آیت کے بعد انہوں نے فرمایا ہے کہ، وکیف اخاف ما اشرکتم ولاتخافون انکم اشرکتم باللہ مالم ینزل بہٖ علیکم سلطان فایّ الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون، پس معلوم ہوا کہ یہاں پر بھی یہ استثنا محض الٰہی جلال کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے ہے نہ کسی واقعی طور پر امکانی صورت کے اخراج کیلئے جیسے من دون اللہ والے استثنا کی غرض ہے۔

ثالثًا کہا جاسکتا ہے کہ نظیر پیش کرنے کے مطالبہ میں کہیں تو سارے قرآن کو مقابل میں رکھا ہے اور کہیں دس سورتوں کو اور کہیں صرف ایک سورۃ کو، حالانکہ ان میں تدریجی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا کیونکہ پہلے ایک سورۃ کی نظیر کا پھر دس سورتوں کی نظیر کا اور پھر سارے قرآن کی نظیر کا مطالبہ کیا ہے جبکہ طبعی اور تدریجی ترتیب اسکے برعکس کی متقاضی ہے۔ اور قوت تحدی اسی میں مضمر ہے۔ سو یاد رہے کہ ترتیب نزول کے لحاظ سے دعویٰ مطالبہ طبعی ترتیب پر ہی مبنی ہے، کیونکہ جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں بیان کیا ہے نزول کے لحاظ سے پہلی سورۃ طور پھر قصص پھر بنی اسرائیل اور پھر ہود اور اخیر میں بقرہ ہے اور سورہ یونس کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ مکی ہے یا کہ مدنی لیکن باقی چار سورتوں کے متعلق کوئی اختلاف نہیں بلکہ ان میں سے پہلی چار سورتیں بالاتفاق مکی اور چوتھی یعنی بقرہ بالاتفاق مدنی ہے۔ پہلی سورۃ میں صرف حدیث کا لفظ ہے جو ہر پہلو سے مطلق ہے اور اس مقابلہ کی دعوت کو قیود سے اتنا زوردار نہیں بنایا جس قدر کہ بعد کے مقامات میں بنایا ہے۔ پھر دوسری سورۃ میں مماثلت کو صفت ہدایت میں محدود رکھا اور بالمقابل کتاب ہی پیش کرنے کا تقاضا کیا، لیکن تیسری سورۃ یعنی بنی اسرائیل میں معیار مماثلت کو مطلق رکھکر قرآن کی بینظیر خوبیوں کو وسعت دی مگر مثل کے مقدار کو اسی انداز سے پر رہنے دیا گویا پہلے کی نسبت تحدیانہ مطالبہ میں ایک زینہ کا ارتقا ہوا، اسکے بعد چوتھی سورۃ یعنی ہود میں ایک درجہ اور ترقی کی اور مقدار مثل کو بجائے تمام قرآن کے صرف دس سورتوں میں محصور کیا اور فرمایا، فأتوا بعشر سور مثلہ مفتریات، اور آخری سورۃ یعنی بقرہ میں تحدی کو مزید وسعت دیکر جس طرح مماثلت کو مطلق رکھا اسی طرح مقدار مثل کو بھی صرف ایک سورۃ تک محدود رکھا، اور اس طرح اسکے منجانب اللہ ہونے کی شہادت کو زیادہ قوی کرکے انیر ثابت کیا کہ باوجود مماثلت کی عمومی وسعت اور مقدار مثل کی قلت کی بنا پر انکے ذہنی اور فکری قویٰ کے لئے کشادہ جولانگاہ ملنے کے وہ نظیر پیش کرنے

میں عاجز اور نہتے ثابت ہوئے ہیں اور لیھلک مَن ھلک عن بیّنۃٍ کے مطابق وہ برہانی اور حجّتی موت کی نرغہ میں گھر چکے ہیں۔

نظیر پیش کرنے کی تحدی میں مقدار مثل کو کم و بیش رکھنے میں مذکورہ فائدہ کے علاوہ ایک اور فائدہ بھی ہے، اور وہ یہ کہ انسانی فطرت کا تقاضا یکساں نہیں کوئی تو تیزیٔ طبع کی وجہ سے انتہاء پسند ہوتا ہے اور کوئی اپنی سادگی اور مسکینیٔ طبع کی وجہ سے ابتداء پسند اور کوئی اعتدال امتزاج کی وجہ سے اعتدال پسند، ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ قرآن کی خوبیوں پر بالتفصیل نظر ڈالکر اسکی صداقت اور بے نظیری کو جانچنا چاہیئے صرف ایک سورۃ یا چند سورتوں کے دیکھنے سے باقی حصّہ کی کیفیت اور حقیقت سے کیونکر آگاہی ممکن ہو سکتی ہے، پس اسکی ہدایت کے لئے فرمایا کہ اچھا قرآن کی مثل پیش کرو، ایک دوسرا شخص کہہ سکتا ہے کہ اگر قرآن الٰہی کلام ہونیکی وجہ سے آیۃ اللہ اور معجزہ ہے تو اسکی ہر سورۃ کا جو چھوٹی سے چھوٹی بھی ہو اسی طرح معجزہ اور نشان ہونا ضروری ہے، اسکے لئے کہدیا کہ اچھا کوئی ایک سورۃ ہی کی مثل پیش کرو جو اپنی قلت مقدار کی انتہاء تک پہنچکر اِنّا اعطینا کی سورۃ میں نازل ہوئی ہے، ایک اور تیسرا شخص کہہ سکتا ہے کہ ایک کتاب کے تمام مقامات یکساں نہیں ہوتے، ایک مقام اپنی قوّت دلائل اور زور بیان مضمون کی جدّت اور عبارت کی سلاست کے لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ نہایت اعلیٰ پیمانہ کا ہو لیکن دوسرا ایک مقام عامیانہ رنگ بیان سے مخلوط ہو، اسلئے ہم چند ایسے مقامات قرآن سے چن لیتے ہیں جو ہمارے نزدیک بشری طاقت سے بالا نہیں ہیں، ایسے لوگوں کے لئے فرمایا کہ اچھا کوئی بھی دسؔ سورتوں کی مثال جو تمہارے نزدیک آسان ہیں بنا کر پیش کرو، غرض ہر طبقہ اور ہر مذاق کے آدمی پر حجّت ملزمہ قائم کرنے کے لئے مختلف طور پر اس متحدیانہ مطالبہ کو پیش کرکے اسے ساکت کیا ہے ؛ (باقی دارد)

متعصبین کلیسہ کی رائے عورتوں کے متعلق

اے عورتو تم جانتی ہو کہ تم میں سے ہر ایک حوّا کی نشانی ہے اور آج بھی خدا کا فتویٰ تم پر دائر و سائر ہے اسلئے جس گناہ کی پاداش پر تم پر یہ فتویٰ ہے وہ آج بھی تم میں ہے تم ہی شیطان کا دروازہ ہو تم نے ہی ممنوع درخت کو پہلے چکھا تم نے ہی شریعت الٰہی کو پہلے چھوڑا تم نے ہی خدا کی تصویر (انسان) کو پہلے تباہ کیا (ترتولین تیسری صدی کی [illegible])

اِسلام کی رائے

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر۔

(۲) ھن لباس لکم وانتم لباس لھن وہ تمہارے لئے اے مردو لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس۔

(۳) الجنۃ تحت اقدام الامھات جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے۔

مذہبی اتحاد کا بہترین اصل

جسے

احمد (قادیانی) نے پیش کیا

ہم امید کرتے ہیں کہ عیسائیت کی آگ اور تلوار سے اشاعت ہمیشہ کے لئے ختم ہو چکی ہے۔ اب صرف چند ہی متعصب مشنری رہ گئے ہیں جو یہ خیال رکھتے ہیں کہ دنیا کی تمام اقوام کو عیسائیت کے عالمگیر چرچ میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ ایسا منتہیٰ صرف بعض مذہبی انسانوں یا پادریوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ ورنہ اناجیل کا ہرگز کبھی یہ مدعا نہ تھا۔ اناجیل کی غائیت "عالمگیر عیسائیت" نہیں ہے۔ بلکہ "عالمگیر اخوت" ہے۔ جس طرح کہ عیسائی عیسائیت کو عالمگیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح بُدھ مت والے یہودی اور دیگر مذاہب بھی اپنے اپنے مذہب کو عالمگیر بنانا چاہتے ہیں۔ اگر ان سب کی یہ خواہش بر آجائے۔ تو وہ تھوڑا سا امن بھی جو اب قائم نظر آرہا ہے۔ نیست و نابود ہو جائے۔

مذاہب کے گہرے ٹھوس مطالعہ نے مذہبی مطمح نظر کو اب صحیح راہ پر قائم کر دیا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جزو جسکو مذہب کا اوّلین اور ضروری جزو قرار دیا گیا۔ تمام مذاہب میں موجود ہے۔ یہ اوّلین جزو عام اخلاق کا خزانہ ہے۔ جو ہر ایک نبی کی تعلیم میں ملتا ہے۔ اور انبیاء بنی نوع انسان کے بہت بڑے معلّم اخلاق ہیں۔ وہ اخلاق جو انسانی اخوت کے متعلق ہیں ایک نہایت مستقل اثر رکھنے والا جزو مذہب ہیں۔ کیونکہ یہ جزو مذہب کے باقی جزویات سے زیادہ ضروری ہے۔ مذہب کے علم میں یہ نیا انکشاف دنیا کی مذہبی نظر پر ایک فیصلہ کن تبدیلی پیدا کر دیگا۔ جیسا کہ بعض مادی انکشافات نے دنیا کی مادی نظر میں تبدیلیاں پیدا کر دی ہوئی ہیں۔

یورپ دنیا پر ایک بہت لمبے عرصے سے حکومت کر رہا ہے۔ اس کی خود اپنی مذہبی زندگی کوئی نہیں۔ اور کسی طرح بھی اس لائق نہیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی مذہبی معاملات میں بھی یہ رہنمائی کر سکے۔ جس طرح کہ دنیوی امور میں کرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی روشنی نہیں۔ روح میں کوئی حرکت نہیں جوش نہیں۔ مغرب نے ہمیشہ نور مشرق سے حاصل کیا ہے۔ اسکے لئے خدائی فیصلہ ہی یہی ہے۔ مشرق کے بعض مذہبی خیالات (بالخصوص ہندوستان کے) یورپ میں آئے اور یہاں انہوں نے زرخیز زمین پائی۔ یورپ نے چرچ یعنی پادریوں کی عیسائیت سے کچھ حاصل نہیں کیا۔ میرا اشارہ تھیوسوفی

کی طرف نہیں ہے۔ تھیوسوفی ہوسکتا ہے۔ کہ اچھی تھیوری ہو۔ لیکن اسوقت مجھے اسکے ذکر سے کوئی تعلق نہیں۔ میری منشاء صرف یہ ہے۔ کہ میں ایک اصلیت۔ ایک حقیقی امر کی طرف توجہ دلاؤں۔ ہندوستان میں ایک عظیم الشان مذہبی سلسلہ نے ایک عالیشان خیال پیش کیا ہے۔ یہ پرانا سوال ہے۔ کہ اگر دنیا میں ایک ہی مذہب قائم کردیا جائے تو پھر آپسمیں تمدنی اختلافات کا کیا تدارک ہوسکیگا۔ ابتدائی صدیوں کی اُس مشہور فلسفیانہ تحریک نے جسکو مؤرخین نے سنکریٹیزم کا نام دیا ہے۔ اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس تحریک کے بعد رومن چرچ نے اس حل کی کوشش کی ہے۔ اس کا مدعا ایک عالمگیر مذہب پیدا کرنیکا تھا۔ لیکن یہ ہر دو اس سکیم کو کامیاب بنانے میں ناکام ہوئے۔ پرانے وقتوں میں ہندوستان میں بھی ایسے مذہبی اتحاد پیدا کرنیکی کوششیں اور تجربے کیئے گئے ہیں۔ ہندوستان کے مذہبی لوگوں نے اپنے آپکو صدیوں تک اس بارے میں مشغول رکھا ہے۔ کہ کوئی ایسا دینی اصول ملے جسپر مذہبی اتحاد قائم ہوسکے۔ اپنی علمی قابلیت اور اپنے وقار اور اثر کی وجہ سے ایک حد تک یہ اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہوئی ہیں لیکن وہ اُس عالمگیر اتحاد کو نہیں حاصل کرسکے۔ جو انکی اصل منشاء تھی۔ اس قسم کی مذہبی یک جہتی کبھی بھی پیدا نہیں کیجا سکتی میں سمجھتا ہوں۔ کہ قوانین میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرنا خیالات کو متفق بنانیکے مترادف ہے۔ خیالات کو متفق کردینا اور پھر اور بڑھ کر عقائد اور ایمانیات میں اتحاد پیدا کردینا انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ جتنا زیادہ کہ ایک شخص اُس طاقت کے دباؤ سے آزاد ہوتا ہے۔ جو اسکو اس اتحاد پر مجبور کرتی ہے۔ اتنا ہی زیادہ وہ اپنے عزیز ترین خزانے یعنی اپنے ذاتی ایمان کو قربان کردینے میں پس و پیش کریگا۔ وہ تجربات جو اس قسم کی مذہبی یک جہتی پیدا کرنیکے لئے کیئے گئے ہیں اُن سب کے اندر فطرت کے خلاف ہونیکا بڑا نقص رہا ہے۔

پس کیا پھر مذہبی اتحاد کے متعلق ہمارا تذکرہ بیجا اور نادرست ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ برخلاف اسکے ہم بالکل درست اور بجا کہ رہے ہیں۔ جبکہ ہمارے اسپر کہنیکی بنا ایک ایسی چیز ہے۔ جو کہ مذہب کے نچوڑ کے ہمیشہ زیادہ قریب رہی ہے بہ نسبت کسی اصول مذہبی کے۔ مذہب میں غور و فکر کرنے والوں کا ایک بہت بڑا گروہ اس امر پر متفق ہے کہ مذہب کا نچوڑ "محبت" ہے یہ امر مذہبی اتحاد کے لئے امید افزا بنیاد ہے۔ کیونکہ اس طرح یہ مذہبی اتحاد اصول و قواعد کا اتحاد نہیں ہوگا۔ بلکہ اخوت و برادری کا ہوگا۔

یہ خیال جہاں تک میں جانتا ہوں۔ (حضرت) مرزا غلام احمد (علیہ السلام) قادیانی

(پنجاب۔ ہندوستان) نے نہایت واضح طور پر پیش کیا ہے۔

چند سال گذرے۔ کہ برلن میں احمدؐ کے مشنری اور میرے نہایت ہی مخلص دوست مولوی مبارک علی صاحب نے مجھے کچھ کتابوں اور رسالوں کے انگریزی ترجمے دیئے جن میں اُس عالیشان انسان کی تعلیم تھی۔ مَیں نے ان کتابوں کو پڑھنا شروع کیا۔ کچھ صفحات پڑھنے کے بعد مَیں اس طرز تحریر کی سادگی اور پاکیزگی کو دیکھ کر نہایت متعجب ہوگیا۔ کہ کس طرح مذہب کے مشکل سے مشکل عقدے میری دماغ کے لئے بالکل صاف ہو رہے ہیں۔ ہر ایک فقرہ ایک نئے خیال کو میرے سامنے لا کھڑا کرتا جو پہلے میری روح میں سویا پڑا تھا۔ اُسکے قائل کر دینے والے الفاظ نے مجھ پر وحی کا کام کیا۔ خصوصاً مذاہب کے درمیان امن پیدا کرنے کی تعلیم نے میرے دل پر نہایت گہرا اثر کیا۔ اور مجھے اس خیال پر لا کھڑا کیا۔ کہ مذہبی اتحاد ممکن ہوسکتا ہے۔

خدا ہمیشہ اپنی منشاء اپنے فرستادوں کے ذریعے سے بنی نوع انسان پر ظاہر کرتا چلا آیا ہے۔ یہ فرستادے جنکو نبی کہا جاتا ہے۔ مختلف زمانوں میں اور مختلف اقوام میں الٰہی وحی کے حامل ہوتے رہے ہیں۔ وہ لوگ جن کے اندر خدا نے اپنی مرضی و منشاء دنیا میں ظاہر کرنیکے لئے کوئی رسول بھیجا۔ طبعی طور پر اُس رسول کو بلا شرکت غیر اپنا ہی سمجھنے پر مائل ہوگئے۔ ہر چند یہ بات بالکل صاف ہے کہ اُس اور صرف اُس ایک ہی خدا کے تمام رسول۔ جو کہ تمام بنی آدم کا خدا ہے۔ ہماری سب کے یکساں رسول ہیں۔

یہ ہے احمدؐ کا اصول۔ اس اصول کو دنیا کے اندر عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔ احمدؐ نے مختلف مذاہب کے پیروؤں کو زبردست الفاظ میں سنایا ہے۔ کہ تم دیگر مذاہب کے کل انبیاءؑ کو اپنے انبیاءؑ کی طرح یکساں ادب و احترام سے یاد کرو۔ یہ پہلی ضرورت ہے۔ جسکے بغیر مذاہب کو ایک دوسرے کے قریب لانا بالکل غیر ممکن ہے۔ کیونکہ ایک مذہب کے پیروؤں کے نزدیک اس سے زیادہ تکلیف دہ اور سینہ سوز اور کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ انکے نبی کی دوسرے لوگ ہتک کر رہے ہوں۔ اور اسپر حرف گیری ہو رہی ہو۔ اس غرض کیلئے کہ تمام انبیاءؑ کا یکساں احترام کرنا چاہیئے۔ تمام انبیاءؑ کو جاننا اور انکی تعلیم سے واقف ہونا لازمی ہے۔ اگر مجھے صرف اپنے ہی مذہب کی تعلیم سے واقفیت ہو۔ اور دوسروں سے بکلی ناواقفیت۔ تو مجھے خدا کی وحی کی ہوئی روشنی کا یقیناً ناقص علم ہوگا۔ اس لئے احمدؐ نے علم مذہب کے تکمیل شدہ مطالعہ کو پیش کیا۔ لاریب احمدؐ نے جو عالمگیر یک جہتی کی روح پیش کی ہے۔ وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے

جسکو یورپ ابتک خود سمجھا نہیں۔ آپ نے اپنی اس تجویز سے کہ یورپ کے اندر علم مذہب کے لئے اس سب سے زیادہ ترقی پذیر اور کامل قاعدہ کو برتا جائے۔ اور مذہب کا یورپ کی نئی سائنس سے زیادہ گہرا تعلق پیدا ہو۔ یورپ کی توجہ اپنی طرف کھینچی ہے۔

عیسائی یورپ کو نہایت غور و تفکر سے یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک عظیم الشان انسان جو اس حیثیت سے کہ وہ خود نبی اور خدا کا فرستادہ ہے اور ایک عالی مرتبہ نئے مذہبی سلسلہ کا بانی ہے۔ یہ نمونہ پیش کرتا ہے۔ کہ کسطرح دوسرے مذاہب کے انبیاءؑ کو بھی احترام و ادب کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ اس حیثیت سے کہ وہ اسلام کا سچا پیرو تھا۔ وہ عیسائیت کے نبی کا ذکر ہمیشہ بڑے ادب سے کیا کرتا تھا۔ اسکی عین خواہش ہے۔ کہ اس خدا کے بڑے بندے کا تمام اقوام ادب کریں۔ وہ مسیح ناصری کی تعلیم سے اس سے کہیں زیادہ واقفیت رکھتا ہے۔ جتنا کہ عیسائی یورپ کے پادری یا مذہبی لوگ رکھتے ہیں۔

مذاہب کے تاریخی مطالعہ و جستجو کے ذریعے سے مغربی ممالک کے لوگ دیکھ لینگے۔ کہ تمام کے تمام انبیاء مذہب کے نچوڑ کو ایک ہی ظاہر کرنے میں متفق ہیں۔ جب یہ لوگ (مغرب کے) یہ سمجھ لینگے۔ کہ یہ تمام مذہبی معلم ہماری عملی زندگیوں کے لئے نمونہ تھے۔ اور ان تمام نے بنی آدم کے تکلیفات و مصائب کے علاج کے لئے ایک ہی صحت بخش ذریعہ پیش کیا ہے۔ تب ان لوگوں کو اتحاد کے صحیح راستہ کا علم ہوگا۔ اس اتحاد کی بنا اصول و قوانین کے اتحاد پر نہیں ہوگی۔ نہ ہی یہ مجالس علماء کے فتووں سے وقوع پذیر ہوگا۔ ہاں بلکہ یہ اتحاد ان لوگوں کی روحوں میں رچ جائیگا۔ جو کہ امن اور اخوت کو تر ستے ہیں۔ چرچ یہ کام کرنے کی کبھی بھی قابلیت نہیں رکھ سکتے۔ انہوں نے تو مذہب کے آزاد اور کھلے انکشافات میں روک ڈال رکھی ہے۔ "دلوں کے آزاد اعتقاد" اور "مذاہب کے کھلے رابطے" چرچوں کے حاکمانہ اندازوں سے راستہ صاف کرکے اور افتراق پیدا کرنیوالے اثرات کو نیست و نابود کر کے اس اتحاد کو پیدا کر لینگے۔

رسالہ "ریویو آف ریلیجنز" کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ یورپ کو احمدی تعلیم سے آگاہ کیا جائے۔ اور ایسی تجاویز پیش کی جائیں جنسے اس کام کو سر انجام دیا جا سکے۔

ایڈیٹر صاحب کی اجازت سے اسکے اگلے نمبر میں "علم مذہبی کے لئے احمدی سکول" قائم کرنیکی تجویز میں پیش کرونگا۔ جسکی یورپ کے کسی بڑے مرکز میں بنیاد رکھی جائے۔

(پروفیسر) جے۔ روہسکا۔
بوڈاپسٹ

رقص اور مذہب

جب ہم اسلامی احکام پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو کوئی ایسا حکم نہیں ملتا جو رقص کی حرمت پر دلالت کرے۔ سوائے اس صورت کے جبکہ رقص معیوب، خلاف ادب اور بہیمی خواہشوں کو برانگیختہ کرنیوالا ہو۔ ابن حجر اور انکے علاوہ دوسرے جلیل القدر مسلمان علماء نے تصریح کی ہے کہ رقص اس صورت میں حرام ہے جبکہ اسمیں لچک اور مٹک پائی جائے۔ اسلئے کہ لچک اور مٹک اس فعل کو خواہشات سے ملا دیتی ہے۔ لیکن مطلق رقص حرام نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث میں وارد ہے کہ حبشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آنحضرت کے سامنے رقص کیا ہے اور آنحضرت نے بڑی دیر تک کھڑے ہو کر اس رقص کو دیکھا اور حضرت عائشہ رض کو دکھایا۔

علماء اور فقہاء کے اقوال بالاتفاق اس حکم کو ثابت کرتے ہیں۔ امام نودی منہاج میں لکھتے ہیں کہ رقص مباح ہے بشرطیکہ اسمیں لچک اور مٹک نہ ہو، امام الحرمین کہتے ہیں کہ رقص حرام نہیں، کیونکہ وہ چند سیدھی اور ٹیڑھی حرکتوں سے عبارت ہے البتہ اسکی کثرت تہذیب کے منافی ہے، اسی طرح صاحب العمدہ نے جو شوافع میں سے ہیں، کہا ہے کہ اصل رقص مباح ہے، المعاد سہروردی رافعی اور حلبی نے اپنی کتاب منہاج میں رقص کو مباح لکھا ہے بشرطیکہ اسمیں مٹک نہ ہو لیکن شیخ الاسلام عزالدین عبد السلام نے تو رقص کو علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے، اور وہ خود بھی رقص کرتے تھے۔ اسی طرح امام سیوطی، سراج الدین بلقینی، عبد الوہاب شعرانی وغیرہ علماء نے لکھا ہے، اور امام غزالی رح نے اسکے جواز پر یقین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ رقص سرور و نشاط کی تحریک کا سبب ہے اور ہر سرور مباح ہے لہذا اسکی تحریک بھی جائز ہے اور اگر وہ حرام ہوتا تو حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبشیوں کا رقص نہ دیکھتیں،

صحابہ رض کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے کہ جب وہ مسرور ہوئے ہیں تو انہوں نے رقص کیا ہے جسکا سبب انکی مسرت تھی، اور یہ حضرت حمزہ رض کی بیٹی کے قصہ[۱] میں وارد ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے پوچھا کہ کیا تم حبش کے رقص کو دیکھنا چاہتی ہو۔ اور بخاری شریف میں حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ عید کا دن تھا کہ اہل سودان ڈھال اور چھوٹے نیزوں کے ساتھ رقص کرتے تھے تو آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم اسے دیکھنا نہیں چاہتیں۔ میں نے کہا

[۱] اس قصہ کی تفصیل بخاری اور احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۵۰ میں دیکھو

ہاں چاہتی ہوں۔ آپنے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کیا میرا رخسار آپکے رخسار پر تھا۔ اور آپنے فرمایا کہ شروع کرو اے بنی ارفدہ" یہانتک کہ جب میں تھک گئی، تو آپنے فرمایا، کیوں بس، میں نے کہا جی ہاں آپنے فرمایا اچھا اب جاؤ[۱]۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ یہ تمام احادیث صحیحین میں وارد ہیں، اور انسے ثابت ہوتا ہے کہ غنا اور رقص حرام نہیں ہیں۔ پہلے، لہو کی اباحت میں، دوسرے اس فعل کا مسجد میں کیا جانا تیسرے آنحضرتؐ کا فرمانا کہ شروع کرو اے بنی ارفدہ، اور یہ کھیل کا حکم دینا، اور اسکی خواہش کرنا ہے، چوتھے دیر تک کھڑے رہکر اسے دیکھنا اور سننا، پانچویں آنحضرتؐ کا ابتدا میں حضرت عائشہؓ سے یہ فرمانا کہ کیا تم دیکھنے کی خواہش رکھتی ہو۔ اور یہ کوئی اضطراری فعل نہ تھا، یہ تمام قیاسات اور نصوص رقص و غنا اور تال وغیرہ کی اباحت اور جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

لہذا ہر ملک کے مسلمان علماء نے باوجود اختلاف مذاہب و حالات، جملہ اقسام رقص کے متعلق یہی کہا ہے، اور اسی خیال کی اکثر فقہاء تائید کرتے ہیں جو غنا کے جواز کے قائل ہیں۔ اور یہی حضرت صوفیاء کا مذہب ہے لیکن فن رقص تشدد پسند، اور دین میں سختی پیدا کرنیوالے فقہاء کے حملوں سے محفوظ نہیں رہا، یہ فقہاء ہر ایسے شخص کو ساقط العدالت سمجھتے تھے، جو غنا سے اشتغال رکھتا ہو۔ اور جو شخص تصویر بناتا، یا کوئی مجسمہ تیار کرتا وہ انکی نظر میں مشرک سمجھا جاتا تھا۔ لہذا اس مخالفت سے اس فن کو بھی وہی نقصان پہنچا جو دوسرے فنون جملہ کو پہنچا ہے۔

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان علماء نے رقص کے جواز پر سنّت اور قیاس کے دلائل پیش کیئے ہیں سنّت تو وہی حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے جو صحیحین میں مسجد کے اندر رقص حبش کے متعلق وارد ہے اور قیاس یہ کہ فرع اپنی اصل کے ساتھ علّت حکم میں مساوی ہونا چاہیئے لہذا یہاں بھی اصل فعل اہل حبش اور حضرت علیؓ اور ان کے شریک صحابہؓ پر قیاس کیا جا سکتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ اسلام نے رقص کو حرام قرار نہیں دیا جبتک کہ اس میں مٹک اور لچک کی حرکتیں نہ پائی جائیں جو شہوات بہیمی کو برانگیختہ کرتی ہوں اور یہ اس ترقی یافتہ شریعت کا حکم ہے جو اخلاق کی پاکیزگی اور رفعت کی حمایت کرتی ہے۔ اور یہی حمایت قوم کے ناموس اور ادب کی حمایت کے لئے مطلوب ہے *

ریویو۔ مندرجہ بالا مضمون نگار سے لیا گیا ہے بجائے علمی مذاکرہ۔

[۱] بخاری باب العیدین۔

پنڈت لیکھرام کی نسبت موت کی پیشگوئی

[بعض لوگ کہتے ہیں کہ الہام میں صرف عجل جسد لہ خوار لہ نصب وعذاب کے الفاظ ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے موت کی پیشگوئی نہ کی تھی اس کے لئے مندرجہ ذیل ثبوت ملاحظہ ہوں۔ (ایڈیٹر)]

اس پیشگوئی کے جو الفاظ ہیں وہ صراحتاً بلا تاویل موت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس الہام میں لفظ خوار ہے جسکے معنی لسان العرب جلد ۵ مطبوعہ سنہ ۱۳۰۰ھ ایڈیشن اوّل کے صفحہ ۳۴۵ میں لکھے ہیں:۔

"گوسالہ کے آواز کے لئے آتا ہے۔ لیکن جب انسان پر اس لفظ کا اطلاق کرتے ہیں تو اس موقعہ پر کرتے ہیں جب کوئی مقتول قتل ہونیکے وقت گوسالہ کی طرح چلاتا ہے۔"

پھر دوسرا لفظ نصب ہے اسکے معنی لسان العرب جلد دوم صفحہ ۲۵۵ میں علاوہ اور بہت سے معانی کے یوں بھی لکھے ہیں:۔

"کہ جب کوئی شخص کسی پر جان لینے کے لئے حملہ کرے اور درشتی کی راہ سے اسکے فنا کرنے میں پوری پوری کوشش کرے تو کہتے ہیں نصب فلان لِفلانٍ۔

"ومنها ما وعَدَنِی ربّی واستجاب دُعائی فی رجلٍ مفسدٍ عدوّ الله ورسولہ المسمی لیکھرام الفشاوری واخبرنی انّہٗ من الھالکین انّہٗ کان یسبّ نبی الله ویتکلّم فی شانہ بکلماتٍ خبیثۃٍ فدعوت علیہ فبشّرنی ربّی بموتہ فی ستّ سنین انّ فی ذٰلک لاٰیۃ للطّالبین۔

ترجمہ:۔ میرے نشانات میں سے ایک وہ ہے جو خدا نے مجھ سے وعدہ کیا اور میری دُعا کو دشمنِ رسولؐ لیکھرام کے متعلق سُنا اور مجھے خبر دی کہ وہ ہلاک کیا جائیگا کیونکہ وہ رسولؐ پاک کو گالیاں دیتا اور اسکی شان میں گندے الفاظ بولتا تھا۔ میں نے اسپر بددعا کی تو خدا تعالیٰ نے مجھے بشارت دی کہ وہ چھ سال میں مرجائیگا۔ اسمیں طالبوں کے لئے بشارت ہے۔" (کرامات الصادقین آخری ٹائٹل)

۲۲ ستمبر سنہ ۱۸۹۳ء کو اپنی کتاب شہادۃ القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد سنہ ۱۸۹۳ء سے چھ سال تک ہے۔" صفحہ ۸۰

 اس میں بھی موت کا لفظ صریح ہے۔

خود لیکھرام کی اپنی شہادت پیش کر دیتے ہیں کہ وہ حضرت مرزا صاحبؑ کی پیشگوئی سے کیا سمجھا تھا وہ لکھتا ہے :-

"اس (قرآنی خدا) نے جبرائیل بھیج قادیانی کے کان میں ہماری موت کا الہام پہنایا"
(کلیات آریہ مسافر صفحہ ۴۳۲)

ایڈیٹر اخبار انیس ہند میرٹھ نے لکھا ہے :-

"ہمارا ماتھا تو اسی وقت ٹھنکا تھا جب مرزا غلام احمد قادیانی نے آپکی وفات کی پیشین گوئی کی تھی۔ ورنہ ان حضرت کو کیا علم غیب تھا" (ضمیمہ انیس ہند میرٹھ ۱۰ مارچ ۱۸۹۷ء)

حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا ہے :-

"کہا کرتے تھے کہ پنڈت کو مار ڈالیں گے اور اس عرصہ میں اور فلاں دن ایک دردناک حال میں مریگا" (ضمیمہ پنجاب سماچار ۱۰ مارچ ۱۸۹۷ء)

"اُن (لیکھرام) کے برخلاف فتوے لگائے گئے کہ اسقدر عرصہ میں وہ مرجاویگا"
(ویدک دھرم پرچار رتھا کرونت وہون مطبوعہ ۱۸۹۷ء بار دوم نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۲۶۸)

مولوی محمد حسین بٹالوی رئیس المکفرین نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۲ نمبر ۱ صفحہ ۱۰ میں صاف لکھا ہے:-

"ہاں اسقدر مسلم ہے کہ ۶ سال میعاد قتل لیکھرام کے لئے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء میں ضرور مقرر کی گئی تھی"

تاراچند گجراتی آریہ نے جو "پنڈت لیکھرام جی کا قتل" ایک رسالہ ۱۹۰۷ء میں لاہور سے پنجابی نظم میں شائع کیا اس میں لکھا ہے :- (یہ پہلے ۱۸۹۷ء میں طبع ہوا تھا)

"غلام احمد نے ظاہر اکرتا اعلان ۔ چھ درمیان تک ایسی جانے چھڈ پران
موت آ ذ ائیں جاونا آیا ایہہ الہام ۔ وچ دِ ہاڑے عید دے مرنا لیکھرام" (صفحہ ۱۹ نمبر ۱۸)

انجیر کے درخت پر مسیح کی لعنت

یروشلم کے درختوں میں سے ایک درخت ہے۔ اور خصوصیت سے اس علاقہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ رہتے تھے۔ انہیں کوئی نبی تو مانے گا پھر بھی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ ان جیسا زیرک آدمی غیر موسم میں انجیر کے درخت کے پاس چلا جائے۔ اور اسپر پھل تلاش کرے۔ اور جب کچھ ملے تو اسپر لعنت کرنے لگے۔ کیا ہمارا ایک بچہ بھی اس موسم میں جبکہ آم کے ساتھ آم نہیں لگتے۔ آم کے درخت کے پاس آموں کے لئے جائیگا۔ اگر نہیں۔ تو وہ کس طرح چلے گئے۔ دراصل اس سے مراد

تمثیلی کلام

ہے۔ اور انجیر سے مراد یہودی قوم ہے۔ ایک پھلدار درخت کی قدر و قیمت اس کے پھل سے ہی ہوتی ہے۔ ایک آم کا درخت اگر پھل دیتا ہے تو آم کا درخت ہے۔ ورنہ جلانے کے قابل لکڑی ہے۔ یہی بات یہود کو حضرت مسیحؑ نے اس تمثیل میں سمجھائی۔ کہ جب تک الہام کا سلسلہ یہود میں جاری رہا۔ وہ زندہ قوم رہی۔ اور جب یہ بند ہو گیا۔ تو وہ کسی کام کی نہ رہی۔ انہوں نے انجیر کے درخت کی طرف دیکھا۔ اور تمثیلی طور پر کہا۔ دیکھو یہ پھل نہیں دیتا۔ اسوقت یہودیوں کا گروہ انکے ساتھ تھا۔ انہیں بتایا کہ ایسی حالت میں تم لعنتی ہو۔ جب اپنے مذہب کا کوئی پھل نہیں مانتے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی ان لوگوں پر لعنت کی ہے۔ جو اُمتِ محمدیہ میں تیس ۳۰ دجّال تو مانتے ہیں۔ لیکن ایک مسیح نہیں مانتے۔ تو یہ انکا تمثیلی زبان میں کلام تھا۔

ہم اور وہ

عیسائیوں کی تبلیغی مساعی

جس ملک میں دو ہزار تبلیغی مرکز عیسائیوں کا قائم ہو۔ اور ڈیڑھ سو مختلف شفاخانوں، ہسپتالوں اندھوں اور کوڑھیوں کے شفاخانوں، صنعت و حرفت اور مدرسوں، سکولوں اور کالجوں، یتیم خانوں اور جرائم پیشہ اقوام کی اصلاحی لوازمات کی شکل میں کام کر رہے ہوں، اور جہاں کسی وقت ایک عیسائی نہ تھا۔ وہاں قریب قریب ایک کروڑ عیسائی موجود ہو اور اب بپتسمہ لینے والوں کی تعداد تین چار لاکھ نفوس سالانہ تک پہنچ چکی ہو۔ اور اسپر بھی وہ فارغ نہ ہوں اور بڑے بڑے جگادھری پادری شور مچا رہے ہوں کہ اگر آئندہ پانچ سال میں ہم نے ۸ کروڑ اچھوت کا مسئلہ بالکل طے نہ کر دیا۔ تو سمجھ لیجئے۔ کہ تمھاری گذشتہ ڈیڑھ سو سالہ مساعی خاک میں مل گئیں۔ وہاں شک نہیں کہ اگر مسلم کی سادگی اور دوسروں کی ہوشیاری کا یہ عالم رہا تو آئندہ چند ہی سالوں میں ہندوستان میں بجائے ہندو مسلم کشمکش کے عیسائی ہندو کشمکش شروع ہو جائیگی۔ اور (خاکم بدہن) اسلام کا نام تک باقی نہ رہیگا۔

آریوں کی تبلیغی کوششیں

۲۴ مئی (؟) کو جب پہلا تار ایزوا قوم کے فیصلہ کا نکلتا ہے۔ کہ انہیں ہندو مذہب کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کی آغوش میں پناہ لینی چاہیئے۔ تو ہندو مہاسبھا اور آریہ سماج کے نمائندے وہاں پہنچ گئے۔ روپیہ دھڑا دھڑ آنا شروع ہوا۔ مختلف اقطاع ہند سے تفتیشی تاروں اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ اخبارات نے چیخ و پکار سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ ہر طرف سے بڑھو بڑھو کی صدائیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔

مسلمانوں کی غفلت

اس کے مقابل مسلمانوں کی حالت لکھتے ہوئے قلم شرماتا ہے۔ ڈیڑھ لاکھ قوم ہندو مذہب کو چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کرتی ہے اور اسپر دو کم سولہ لاکھ آدمیوں کے فیصلہ کا انحصا

ہے۔ تمام حالات تفصیل کے ساتھ شائع کئے جاتے ہیں اور بتلایا جاتا ہے کہ مذہبی احکام سے الگ ہو کر بھی اگر مسلمان اس مسئلہ پر غور کرینگے تو انہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ مسلمانان مالابار کے لئے یہ موت و حیات کا سوال ہے۔ لیکن مسلمانوں کی یہ اولوالعزمانہ مساعی یقیناً یادگار رہینگی کہ چھ سات ماہ کے عرصہ میں پچاس روپیہ سے زائد رقم پنجاب سے موصول نہیں ہو سکی۔

حتی کہ محکمہ تلغراف کا ۔۔۔ ناقوس ۲۰۱۸ نفوس یعنی پانچسو خاندانوں کے آریہ سماج میں داخل (رپورٹ جمعیۃ تبلیغ)

حضرت مسیح موعودؑ پر جھوٹ کا الزام

اس اعتراض کو بار بار دہرایا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے شہادۃ القرآن صفحہ ۴۱ پر لکھا ہے کہ ھٰذا خلیفۃ اللہ المھدی حدیث بخاری میں ہے۔ اور یہ جھوٹ ہے۔

الجواب ہم کہتے ہیں کہ نفس حدیث کے معتبر ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ البتہ اسکے لئے صحیح البخاری کا حوالہ دینا محض سبقت قلم سے ہے۔ اور یہ منافی نبوت نہیں اوّل حضرت نبی کریمؐ فرماتے ہیں انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون (مشکوٰۃ) دوم بخاری و مسلم میں متفق علیہ حدیث ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی اور بجائے ۴ رکعت کے دو پر سلام پھیر دیا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ نماز چھوٹی ہو گئی یا حضورؐ بھول گئے تو فرمایا کل ذٰلک لم یکن۔ یعنی یہ دونو باتیں نہیں۔ تو اب کوئی خبیث النفس ہی کہہ سکتا ہے کہ حضرت رسول اللہ نے جھوٹ بولا۔

۲۔ پس حقیقت یہ ہے کہ یہ محض سبقت قلم و سہو کتابت ہے۔ جو انسان سے ہو جانا ممکن ہے۔ ورنہ آپکو خوب معلوم تھا کہ بخاری و مسلم نے امام مہدی کا ذکر ہی نہیں کیا۔ چنانچہ ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۲۱۵ پر آپکی یہ عبارت درج ہے:

"اگر مہدی کا آنا مسیح کے سلسلہ ظہور میں داخل ہوتا۔ تو دو بزرگ شیخ اور امام حدیث کے یعنی حضرت محمد اسمٰعیل صاحب صحیح بخاری اور حضرت امام مسلم صاحب صحیح مسلم اپنے صحیحوں سے اس واقعہ کو خارج نہ رکھتے لیکن امام محمد مہدی کا نام تک بھی تو نہیں لیا۔" (ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۲۱۵ بار سوم ۱۳۲۷ھ ہجری)

۳۔ اخیر میں ہم یہ پوچھتے ہیں کہ تلویح مصری جلد دوم صفحہ ۹ پر یہ عبارت ہے:-

واستدل علی ذٰلک بقولہ علیہ السلام یکثر لکم الاحادیث من بعدی فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالفہ فاقبلوہ وما خالفہ فردّوہ ××× وایراد البخاری ایاہ فی صحیحہ لا ینافی الانقطاع۔ دیکھئے یہاں ایک مسلمہ علامہ اس حدیث (فاعرضوہ علی کتاب اللہ کو بخاری میں ظاہر کر رہی ہیں بحالیکہ یہ صحیح بخاری میں نہیں۔ اب فرمائیے یہ جہالت ہے؟ یا جھوٹ ہے؟ یا سہو؟ فما ھو جوابکم۔

وصیتیں

جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجاویگی (۳) میری موجودہ جائداد مہر صما روپیہ کا ہے فقط کاتب الحروف عبد القدیر بی۔ اے افسر ڈاک $\frac{1}{26}$ ۲۹ گواہ شد:۔ عبد القدیر خاوند موصیہ العبد:۔ صغرا بیگم ۔ گواہ شد:۔ عبد اللہ سنوری ؛

وصیت ۲۳۶۷ میں صغرا بانو زوجہ سید امیر حسن ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپورہ کی ہوں۔ جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱) میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ہو اسکے $\frac{1}{10}$ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجاویگی۔ (۳) میری موجودہ جائداد اسوقت قیمتی یکصد روپیہ کی ہے۔ کاتب الحروف فضل حسین احمدی مہاجر۔ گواہ شد:۔ فضل حسین احمدی مہاجر مینجر بک ڈپو قادیان ۔ العبد:۔ صغرا بانو ۔ گواہ شد:۔ مرزا نذیر علی بقلم خود ؛

وصیت ۲۳۶۶ میں اللہ دین ولد کریم بخش قوم جٹ ساکن بھینی بانگر تحصیل و ضلع گورداسپورہ کا ہوں جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتا ہوں (۱) میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائداد ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۲) اگر میں اپنی زندگی کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجاویگی۔ (۳) اسوقت میری جائداد اراضی چھ گھماؤں چار کنال میری ملکیت واقعہ بھینی بانگر میں ہے اور ایک سکونتی مکان قیمتی یکصد روپیہ کا ہے منقولا جائداد عــ۵ روپیہ کی۔ نیز مالعہ روپیہ کی زمین رہن لی ہوئی ہے۔ زمین کا $\frac{1}{10}$ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام ہبہ کردونگا فقط والسلام $\frac{5}{25}$-۱-۱ العبد:۔ اللہ دین موصی سکنہ بھینی بانگر۔ گواہ شد:۔ عمر الدین احمدی ولد کریم بخش سکنہ بھینی بانگر۔ گواہ شد:۔ کرم دین ولد کریم بخش سکنہ بھینی بانگر

وصیت ۲۳۶۸ میں سعادت بیگم زوجہ ماسٹر عبد الرحمن خاکی قوم مغل ساکن قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپورہ کی ہوں جو کہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی جائداد متروکہ کے متعلق حسب ذیل وصیت کرتی ہوں (۱) میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائداد ہو اسکے $\frac{1}{10}$ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجاویگی (۳) میری موجودہ جائداد مہر الــــــــ روپیہ ہے۔ زیورات قیمتی صما روپیہ ہے سعادت بیگم بقلم خود مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۲۶ء۔ گواہ شد:۔ عبد الرحمن خاکی شوہر موصیہ ۔ گواہ شد:۔ خاکسار علی محمد مہتمم مدرسہ ہائی سکول قادیان ؛ بی۔ اے

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

کلکتہ کے نامی ڈاکٹر ایس کے برمن کی

کف وکھانسی کی دوا

کھانسی ام الامراض ہے یہ مثل بالکل درست ہے کیونکہ کھانسی کی وجہ سے مختلف مرض پیدا ہوتا ہے سردی کے ابتداء میں کھانسی کے ابتداء میں کھانسی ہوتی ہے۔ اگر بروقت علاج نہ کیا گیا۔ تو سانس کی نلیوں میں بلغم جمع ہوجاتی ہے اور رفتہ رفتہ دم کی رکاوٹ پسلیوں میں درد۔ بخار۔ دق۔ سل۔ مراق وغیرہ مختلف امراض میں مریض مبتلا ہوجاتا ہے۔ لہٰذا سردی یا کھانسی شروع ہوتے ہی مناسب دوا کرنا لازم ہے ایسے مہلک مرض کا قلع قمع کرنے کے لئے ڈاکٹر ایس کے برمن کی ایجاد کردہ کف وکھانسی کی دوا از حد مفید ہے وقت ضرورت کے لئے ہر گھر میں اس کی ایک شیشی موجود رکھنی چاہیئے قیمت فی شیشی کلاں ایک روپیہ چار آنے (ہمہ) خورد دس آنہ (۱۰ر) محصولڈاک و پیکنگ آٹھ آنہ (۸ر) و چھ آنہ (۶ر)

دمہ دم کے ساتھ ہے۔ یہ بات صریح غلط ہے

کیونکہ ڈاکٹر برمن کی ایجاد کردہ "دمہ کی دوا" عرصہ ۲۴ سال سے ہندوستان کے ہر حصہ میں شہرت کے ساتھ مفید ثابت ہوئی اور لاکھوں مریض ہر سال شفا پا رہے ہیں۔ افسوس کہ اکثر مریض بازاری زیادہ تر نشیلی اجزاء دھتورہ۔ بھنگ۔ بلاڈونا۔ پوٹاس وغیرہ مضر اشیاء آمیز دوا استعمال کرکے بجائے فائدہ کے نقصان اٹھا کر مایوس ہو بیٹھتے ہیں۔ اور عمر غیر طبعی میں مارے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی کیمیائی اصول سے بنائی ہوئی "دمہ کی دوا" ایک بیش قیمت جوہر ہے۔ اس کی ایک ہی خوراک سے دمہ موقوف ہوجاتا ہے اور کچھ روز کے استعمال سے جڑ سے نابود ہوجاتا ہے۔ اور کبھی دمہ کا دورہ نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ آزما کر دیکھئے قیمت فی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنہ (عہ) محصولڈاک چھ آنہ (۶ر)

مفصل حال دریافت کرنے کے لئے بڑی فہرست مفت منگا کر دیکھئے

نوٹ:۔ ہماری دوائیں ہر ایک دوکاندار اور ہمارے ایجنٹوں کے پاس ملتی ہیں دوا منگانے سے پہلے آپ اپنے مقام کے دوکانداروں سے دریافت کیجئے +

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن (پوسٹ بکس ۵۵۴) نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

ایجنٹوں کی ضرورت ہے قواعد کے لئے درخواست کریں +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۷۹

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

اُردو رسالہ ریویو آف ریلیجنز

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل

نمبر (۴) اپریل سنہ ۱۹۲۶ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ جلد ۲۵

فہرست مضامین

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں منشی عبدالرحمٰن کشمیری قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر قادیان سے شائع کیا۔